نومبر ۱۹۹۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
اکٹر اسرار احمد

پاکستان کا مستقبل ـــــ روشن یا تاریک

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے

تو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے جاری کردہ

خط و کتابت کورس :

قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی

سے استفادہ کیجئے!

نیز

اللہ کے پر تاثیر کلام سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی خاطر
عربی زبان سیکھنے کے لئے، اس کے ابتدائی قدم کے طور پر

عربی گرائمر خط و کتابت کورس

میں داخلہ لیجئے!

مزید برآں ترجمہ قرآن حکیم کورس میں بھی داخلے جاری ہیں

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس کے حصول کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی، 36۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 5869501

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۶
شمارہ : ۱۱
رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
نومبر ۱۹۹۷ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زر تعاون -/۱۰۰

لائبریری
قرآن اکیڈمی

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- ○ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- ○ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ○ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔اے، گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر : ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال _____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ قند مکرر _____ ۹

پاکستان کا مستقبل، روشن یا تاریک؟

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ نالہ ھے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی _____ ۴۱

مولانا وحید الدین خان کے افکار و نظریات کا علمی محاکمہ

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

☆ امت مسلمہ کی عمر _____ ۵۷

اور مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان (۲)

مترجم : پروفیسر خورشید عالم

☆ خطوط و نکات _____ ۷۰

تحریک جعفریہ کے بارے میں ضروری وضاحت ساجد رضا تھیم

☆ فکر عجم (۵) _____ ۷۳

آنحضور ﷺ اور سلطنت فارس

ڈاکٹر ابو معاذ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

حسب اعلان تنظیم اسلامی کا خصوصی مشاورتی و تربیتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء ان شاء اللہ اتوار ۲۶/ اکتوبر تا ہفتہ یکم نومبر قرآن کالج آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہو گا۔ زیر مشورہ امور میں اہم ترین معاملہ جانشینی کے تعین کا ہے جو بلاشبہ تنظیمی اعتبار سے نہایت اہم' نازک اور حساس مسئلہ ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ تنظیم اسلامی کی تاریخ کا یہ اہم ترین مرحلہ بخیر و عافیت اور بحسن و خوبی طے ہو اور غلبہ و اقامت دین کا یہ قافلہ اپنے ہدف یعنی قیام نظام خلافت کی طرف صحیح انداز میں پیش قدمی کرتا رہے۔ (آمین) اس مشاورتی اجتماع کی تفصیلی رپورٹ ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں ہدیہ قارئین کر دی جائے گی۔

ملکی سیاسی حالات ایک بار پھر دگرگوں ہیں۔ عدلیہ اور حکومت کی محاذ آرائی سنگین صورت اختیار کر گئی ہے۔ نئے سیاسی جوڑ توڑ کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں تنظیم اسلامی کے موقف کی ترجمانی امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ کے ذریعے ہوتی ہے جن کے پریس ریلیز سطور ذیل میں قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کئے جا رہے ہیں۔

۱۷/ اکتوبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

ملک میں اب نظام کی تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے۔ موجودہ نظام میں اتنی سکت نہیں ہے کہ زیادہ عرصہ تک جاری رہ سکے۔ ملک کے موجودہ گھمبیر مسائل کا واحد حل اسلامی انقلاب ہے جو صرف نبوی طریق انقلاب اختیار کرنے ہی سے برپا ہو گا۔ اگر میاں نواز شریف صدر کو بے بس کرنے اور ممبران اسمبلی کو مفلوج کرنے کے لئے آئین میں ترامیم منظور کروا سکتے ہیں تو شریعت کو سپریم لاء قرار دینے کے لئے پارلیمنٹ سے آئینی ترمیم کیوں منظور نہیں کراتے؟۔

پاکستان کا قیام اور اس کی بقا نصرت خداوندی کا مظہر ہے مگر نفاذ اسلام سے روگردانی کی وجہ سے ہم قومی سطح پر خوف و دہشت اور اشیائے صرف کی کمر توڑ مہنگائی کے عذاب

سے دوچار ہو چکے ہیں۔ روپے کی قیمت میں ریکارڈ کمی سے "گولڈ" کو "کاپر" بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اب مہنگائی کا خوفناک سیلاب آئے گا جس کے نتیجے میں ملک میں ہنگامہ آرائی اور فتنہ انگیزی کے حالات پیدا ہوں گے' آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک مسلسل نواز شریف پر دباؤ ڈال کر اپنی من مانی شرائط منوا رہے ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے بے نظیر کو اپنا آلہ کار بنایا اور معلوم نہیں آئندہ وہ کس مہرے کو آگے لانے والے ہیں۔ سرکاری اداروں میں گولڈن ہینڈ شیک سکیم سے نہ صرف ملک میں پہلے سے موجود بے روزگاری میں خوفناک حد تک اضافہ ہو جائے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ سرکاری ادارے "اہل ہاتھوں" سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

پارلیمانی نظام کی خرابیاں کھل کر واضح ہو رہی ہیں۔ حکومت اور عدلیہ کی موجودہ محاذ آرائی پارلیمانی نظام کی اسی خرابی کا مظہر ہے جبکہ صدارتی نظام میں مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ جیسے ادارے اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں خوش اسلوبی سے کام کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ اور حکومت باہم گڈمڈ ہونے کی وجہ سے متحد ہو کر عدلیہ کے مقابلے پر آ گئے ہیں' حکومت اور عدلیہ کے مابین موجودہ محاذ آرائی ملک و ملت کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام مضبوط سے مضبوط تر ہو رہا ہے اور عوام کی فلاح و بہبود اور ملکی ترقی کے لئے بھاری شرح سود پر حاصل کردہ غیر ملکی قرضے اور امداد حکمرانوں کی شاہانہ لوٹ مار اور بیوروکریسی کی بے رحم کرپشن کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ملک و قوم سے لوٹا ہوا یہی سرمایہ "سوئس اکاؤنٹس" کی شکل میں غیر ملکی بینکوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ عالمی اداروں کی کامل وفاداری پر مبنی پالیسی اپنانے کی وجہ سے آج "چچا کلنٹن اور دادی اماں ایلزبتھ" موجودہ حکومت پر اپنی شفقتیں اور محبتیں انڈیلتے اور اس پر "صدقے واری" ہوتے نظر آ رہے ہیں ـــــ ماضی میں ملک میں ون پارٹی ڈکٹیٹرشپ قائم تھی جبکہ اس وقت ون مین ڈکٹیٹرشپ قائم ہو چکی ہے۔ غیر معمولی مینڈیٹ کی حامل مسلم لیگی حکومت کے دور میں معاشی استحکام حاصل ہونے کی بجائے غیر یقینی صورتحال میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ ایک جانب پیپلز پارٹی کی باسی کڑھی میں بھی ابال آ رہے

ہیں تو دوسری طرف قاضی حسین احمد بھی حالات کو سازگار دیکھتے ہوئے مسلسل "مارچ ٹائم" کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

☆ ☆ ☆

"اسلامی انقلاب کا نبوی طریق" کے موضوع پر جلسہ عام سے امیر تنظیم کا خطاب

۱۹ / اکتوبر کو الحمراء ہال میں تحریک خلافت پاکستان کے تحت ایک جلسہ عام بعنوان "اسلامی انقلاب کا نبوی طریق کار" منعقد ہوا۔ اس مرحلے پر امیر تنظیم اسلامی نے اڑھائی گھنٹے پر محیط اپنے خطاب میں زیر بحث موضوع پر وضاحت سے روشنی ڈالی۔ الحمرا ہال نمبر ایک جو بلاشبہ اپنی وسعت اور گنجائش کے اعتبار سے لاہور کا سب سے بڑا ہال شمار ہوتا ہے' اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود تنگ دامانی کا شکار نظر آتا تھا۔ سامعین کا انہماک بھی دیدنی تھا۔ امیر تنظیم کے خطاب کا پریس ریلیز حسب ذیل ہے :

"ملک کے حالات بڑی تیزی سے ہارڈ انقلاب کی جانب بڑھ رہے ہیں جبکہ ۳ فروری کے الیکشن کے نتیجے میں مسلم لیگی حکومت کو حاصل غیر معمولی مینڈیٹ سے ملک میں سافٹ انقلاب کا امکان پیدا ہو گیا تھا جسے بد قسمتی سے ضائع کیا جا رہا ہے۔ عالمی مالیاتی استعمار کی بساط آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعے پوری دنیا پر بچھائی جا رہی ہے اور پاکستان کو اس مالیاتی استعمار کی غلامی میں جکڑا جا رہا ہے۔ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف شریعت کو ملک کا سپریم لاء بنانا چاہتے ہیں مگر کوئی بڑا ہاتھ انہیں ایسا کرنے سے روک رہا ہے۔ سودی نظام کی وجہ سے روپے کی قیمت میں بار بار کمی اور سرکاری اداروں میں گولڈن ہینڈ شیک سکیم سے بے روزگاری اور مہنگائی میں ناقابل برداشت اضافے سے ملک افترا تفری کا شکار ہو رہا ہے جس سے فائدہ اٹھا کر کوئی طالع آزما گروپ یا غیر منظم مذہبی قوت ملک کے اقتدار پر قابض ہونے کی کوشش کرے گی۔ سودی اور جاگیرداری نظام کا جنازہ نکالنے کے لئے پرامن' منظم اور غیر مسلح بغاوت کا طریقہ اختیار کرنا ہو گا۔ عالمی شیطانی قوتیں اسلامی ریاست کے قیام کو آسانی سے برداشت نہیں کریں گی چنانچہ ان کے مقابلہ کے لئے پاکستان

اور افغانستان کی اسلامی فوجیں میدان میں آئیں گی اور اس خطہ میں نظام خلافت کو غالب کرنے کے بعد بیت المقدس کو اسرائیل کے قبضے سے آزاد کرائیں گی۔ ملک کے نظریاتی تشخص کو نفاذ اسلام کے ذریعے مضبوط بنا کر بھارت سے مفاہمت کا راستہ اختیار کرنا ہو گا لیکن اگر ملک کا نظریاتی تشخص مستحکم کئے بغیر بھارت سے مفاہمت کی کوشش کی گئی تو یہ اجتماعی خودکشی کے مترادف ہو گا۔ رائج الوقت استحصالی اور ظالمانہ نظام کے خاتمے کے لئے اس کی جڑوں پر تیشہ چلانے کے لئے جاگیرداری نظام کے خاتمے کے لئے ملک میں نیا بندوبست اراضی کرنا ہو گا اور غیر حاضر زمینداری کے موجودہ نظام کو ختم کرنا ہو گا۔ سودی نظام کے ذریعے ملک کے تمام وسائل عالمی مالیاتی "مہاجن" نچوڑ رہا ہے لہٰذا سودی نظام کے خاتمے کے لئے فوری طور پر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر عمل کیا جائے۔

ملک کے استحکام کے لئے اسلام کے عادلانہ نظام کا قیام ناگزیر تقاضا ہے جس کا جامع عنوان "نظام خلافت" ہے اور یہ نظام انقلابی جدوجہد کے بغیر قائم نہیں ہو سکتا جس کے لئے رہنمائی ہمیں صرف اور صرف سیرت نبویؐ سے ملتی ہے۔ قرآن کے انقلابی پیغام کی دعوت و تبلیغ اور تنظیم و تربیت کے مراحل طے کئے بغیر انقلابی جدوجہد اگر تصادم کے مرحلے میں داخل ہو جائے تو اس سے کسی مثبت نتائج کی توقع عبث ہو گی۔ انقلابی جدوجہد کے ابتدائی مراحل میں مکی دور کی مانند عدم تصادم اور مدافعت محض کی پالیسی اپنانا لازم ہے۔ موجودہ دور میں انقلاب کے طریق کار پہ گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بدلے ہوئے حالات میں مسلح تصادم کی بجائے غیر مسلح بغاوت کا طریقہ زیادہ موزوں اور مفید ہو سکتا ہے جس کا ایک مظاہرہ ہمیں ایرانی انقلاب میں نظر آتا ہے کہ انتخابات کے ذریعے نظام کی تبدیلی کا خواب دیکھنا خودفریبی کے مترادف ہے۔ موجودہ حالات میں بلٹ اور بیلٹ کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے پرامن احتجاجی مظاہرہ اور غیر مسلح بغاوت کا راستہ اسلامی انقلاب کے لئے موثر ہو گا۔"

☆ ☆ ☆

۲۴/اکتوبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

نواز شریف اقتدار کے نشے میں عدلیہ سے محاذ آرائی کو آخری حد تک لے گئے ہیں چنانچہ حکومت اور عدلیہ کی محاذ آرائی سے موجودہ "سیٹ اپ" میں تبدیلی کا قوی امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اگر میاں نواز شریف بھی بے نظیر بھٹو کی مانند دوسری مرتبہ وزارت عظمیٰ سے محروم ہو گئے تو اس کا باعث وہ ہیوی مینڈیٹ ہو گا جس نے انہیں "ہیوی ہیڈڈ" بنا دیا ہے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے فیل مست کی صورت اختیار کرتے اپنے اقتدار کے لئے خطرہ بن سکنے والے جملہ عوامل کو اپنے پاؤں تلے کچل کر غیر موثر کر دیا ہے اور انہوں نے نہ صرف چیف جسٹس آف پاکستان سے جھگڑا مول لیا ہے بلکہ ملک کی اعلیٰ ترین عدلیہ میں انتشار اور محاذ آرائی کی روایت ڈال کر ملک کے عظیم ترین آئینی ادارے کے کردار کو بھی مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دو تہائی سے بھی زائد اکثریت کا حامل مینڈیٹ عطا کر کے نواز شریف کو یہ موقع دیا تھا کہ وہ شریعت کو سپریم لاء بنانے کے لئے پاکستان کے آئین میں مطلوبہ ترامیم منظور کرا سکیں جس سے آئین میں موجود منافقت ختم ہو جائے اور اسلامی ریاست کے قیام کا تقاضا آئینی اور دستوری سطح پر پورا ہو جائے۔

شریعت کو سپریم لاء بنا کر ملک کو اسلامی ریاست بنانے کے مبارک اور مقدس فریضے کی تکمیل کی بجائے نواز شریف مسلم لیگ کو حاصل غیر معمولی مینڈیٹ کو محض اپنے ذاتی اقتدار کے تحفظ کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ وزیر اعظم نواز شریف کے لئے اب بھی موقع ہے کہ وہ قومی اسمبلی کے مجوزہ طلب کردہ اجلاس میں قرآن و سنت کو ملک کا سپریم لاء بنانے کے لئے دستوری ترامیم منظور کرائیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے نواز شریف کو خبردار کرتے ہوئے کہا کہ اگر انہوں نے متذکرہ بالا ترامیم کو منظور کرا کے تکمیل دستور خلافت کا تقاضا پورا نہ کیا تو ان کی "اقتدار سے رخصتی" تو اب نوشتہ دیوار بن ہی چکی ہے' یہ اندیشہ بھی ہے کہ کہیں میاں شریف فیملی کسی بڑے عذاب الٰہی کی گرفت میں نہ آ جائے۔ امیر تنظیم نے ملک کو درپیش صورتحال کے حوالے سے کہا کہ انقلاب کے لئے ضروری

ابتدائی مراحل طے کئے بغیر نعرے بازی اور ہنگامی آرائی پر مبنی تحریک سے بہتری کی بجائے "ابتری" کے حالات پیدا ہوں گے' جو ملک و ملت کے حق میں انتہائی خوفناک صورتحال پیدا کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔

اسلامی انقلاب کا ہدف ظلم و استحصال پر مبنی باطل نظام کا خاتمہ اور اسلام کے عادلانہ نظام کا قیام ہے۔ دنیا میں رائج الوقت بدترین اور استحصال پر مبنی "ظلم پرور نظام" کے خاتمے کے بغیر نوع انسانی کو انسان کی غلامی سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکتا۔ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ تصورات پر مبنی نظام مظلوموں کے حقوق غصب کر رہا ہے چنانچہ عالمی سطح پر رائج اس باطل نظام کے خاتمے کے لئے امت مسلمہ کو پوری طاقت کے ساتھ میدان عمل میں آنا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ غیر اسلامی اور باطل نظام کا خاتمہ امت مسلمہ کی دینی ذمہ داری ہے جسے ادا نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان پوری دنیا میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں۔ ظلم پرور نظام کا خاتمہ درحقیقت ظالم اور مفاد پرست طبقات کے آہنی پنجوں کو توڑنے کے مترادف ہے۔

گھر بیٹھے حدیث کا تعارف حاصل کیجئے !

قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت کی کوئی ضمانت ہے؟ عربی رسم الخط کب ایجاد ہوا؟ محدثین سے پہلے حفاظت حدیث پر کوئی کام ہوا؟ محدثین کے کام کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ——— جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی اس قسم کی الجھنوں کو مدنظر رکھ کر ایک خط و کتابت کورس مرتب کیا گیا ہے۔ تاکہ صحیح حقائق کا علم حاصل ہو۔ فیس میں رعایت اور بغیر فیس کورس جاری کرنے کی گنجائش ہے۔ پراسپکٹس طلب کریں۔

البلاغ فاؤنڈیشن' پوسٹ بکس نمبر 2360' لاہور

پاکستان کا مستقبل ۔ روشن یا تاریک؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

پچھلے چند ماہ کے دوران جہاں ایک طرف ملک کے طول و عرض میں پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کا انعقاد عروج پر تھا' وہاں دوسری جانب ہمارے طبقہ دانشوراں کی جانب سے اخباری مضامین کے ذریعے پاکستان کی نظریاتی اساس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور اسلام اور پاکستان کے باہمی تعلق کو کمزور کرنے کی کوششیں بھی تشویشناک حد تک بڑھی ہوئی نظر آئیں۔ اسی پس منظر میں تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام ۶/اکتوبر کو الحمراء ہال میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا جس میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ' نے اپنے مخصوص مدلل انداز میں قیام پاکستان کے محرکات پر گفتگو کرتے ہوئے پاکستان کی نظریاتی اساس کو اجاگر کیا اور یہ ثابت کیا کہ پاکستان کی تقدیر اسلام کے ساتھ وابستہ ہے اور پاکستان کا استحکام ہی نہیں اس کی بقا بھی قیامِ نظامِ اسلامی پر موقوف ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کے اس خطاب کا ایک بھرپور خلاصہ دو ہفتے قبل روزنامہ "خبریں" نے اپنے ملی ایڈیشن میں شائع کیا جسے بعد ازاں "ندائے خلافت" کے گزشتہ شمارے میں شائع کر دیا گیا ـــــ سات سال قبل اسی موضوع پر امیر تنظیم کا ایک نہایت جامع خطاب "پاکستان کا مستقبل ۔ روشن یا تاریک؟" کے عنوان سے جولائی ۹۰ء کے ماہنامہ میثاق میں شائع ہوا تھا۔ قیام پاکستان کی گولڈن جوبلی کے حوالے سے اسی خطاب کے اہم حصوں کو قندِ مکرر کے طور پر ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے ـــــ قارئین یہ بات خاص طور پر نوٹ کریں گے کہ سات سال پرانے اس خطاب میں امیر تنظیم نے مسلمانانِ پاکستان کیلئے لائحہ عمل کے طور پر جو تین نکات تجویز کئے تھے ان میں سے ایک اہم نکتہ دستور پاکستان میں قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی منوانے کیلئے ایک مطالباتی مہم اٹھانے کا بھی تھا۔ تنظیم اسلامی کی حالیہ "تکمیلِ دستورِ خلافت" مہم اسی تجویز کا عملی مظہر ہی تو ہے۔ (ادارہ)

ہمیں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کسی قدر گفتگو اپنے ماضی کے بارے میں بھی کرنی ہو گی اور اپنے حال کو بھی ایک حد تک زیر بحث لانا ہو گا کہ ہمارا حال اس وقت ہے کیا؟ دنیا ہمارے بارے میں کیا کہہ رہی ہے؟ ؎

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا؟

کیا ہم کسی وجودِ مصدّقہ کے حامل ہیں ؟

علامہ اقبال نے مولانا روم کے تتبع میں وجودِ مصدّقہ (Authentic Personality) کو جانچنے کا جو پیمانہ پیش کیا ہے اس پر ہم خود کو پرکھ کر بحیثیت قوم اپنی حقیقی صورت حال کا بہ آسانی اندازہ کر سکتے ہیں - علامہ کے نزدیک اس بات کا فیصلہ کہ کسی انسان کی شخصیت یا سیرت کیسی کچھ مستند (Authentic) ہے ' تین اعتبارات سے ہوتا ہے :

۱- انسان خود اپنے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے ' اپنا جائزہ لے کہ اپنی نگاہ میں وہ خود کیا ہے ؟

۲- انسان اپنے آپ کو دوسروں کی آنکھوں سے دیکھے کہ دوسرے اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ؟ ایک مسنون دعاء ذہن میں آ رہی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کو جمع فرمایا ہے - آپؐ یہ دعا کیا کرتے تھے :

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِی فِی عَیْنِی صَغِیْرًا وَفِی اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا

کہ اے اللہ مجھے اپنی آنکھوں میں تو چھوٹا دکھا (کہ کہیں دل میں تکبّر اور عُجب نہ پیدا ہو جائے) لیکن لوگوں کی آنکھوں میں بڑا کر (تاکہ تیرے دین کی بڑائی ہو اس لئے کہ میں تیرے دین کا خادم اور تیرا نمائندہ ہوں)

۳- اور تیسرے یہ کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرے - خود کو جانچے کہ اللہ کی نگاہ میں وہ کیا ہے ! مولانا روم کا بڑا پیارا شعر ہے ۔

جانِ جملہ علم ہا ایں است و ایں
تا بدانی من کیم در یومِ دیں

کہ تمام علم کا لبِّ لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ قیامت کے دن میرا کیا حشر ہوگا ؟ وہاں میں کس کے جھنڈے تلے کھڑا ہوں گا ؟

اسی حوالے سے ہمیں جائزہ لینا ہے کہ ہم قومی اور ملکی سطح پر کسی وجودِ مصدّقہ کے حامل ہیں یا نہیں ؟ اس کے ضمن میں اصلاً دو ہی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں ' ورنہ حال اور

ماضی کا یہ مرثیہ بہت طویل ہو جائے گا۔

"ٹائمز آف لنڈن" کا تجزیہ

سب سے پہلے تو "ٹائمز آف لنڈن" جو کہ ایک بہت پرانا اخبار ہے' اس کے حوالے سے مجھے یہ بات عرض کرنا ہے کہ جب ہمارے ہاں آزادی کی چالیسویں سالگرہ یعنی اکتالیسواں یوم استقلال منایا گیا تو اس اخبار کے موجودہ ایڈیٹر نے ایک اداریہ لکھا اور اس میں چالیس سال قبل کا حوالہ دیا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہندوستان تقسیم ہوا اور دو آزاد ملک وجود میں آئے تو اخبار کے اُس وقت کے ایڈیٹر نے اِس اہم واقعہ پر اداریہ قلمبند کیا تھا' جس میں اس نے ان دونوں نوزائیدہ ملکوں کے مستقبل کے بارے میں اپنا اندازہ بیان کیا تھا کہ آج دنیا میں جو دو ملک وجود میں آئے ہیں' ان میں سے ایک کا مستقبل بہت روشن ہے اور دوسرے کا بہت تاریک! پاکستان کا مستقبل بہت روشن ہے' اس لئے کہ یہ ایک قوم کا ملک ہے اور انہیں باہم جوڑنے والی ایک بہت بڑی قوت (Binding Force) مذہب کی طاقت موجود ہے لہٰذا ان کی یکجہتی اور ان کا اتحاد مثالی ہے۔ ان کے ہاں نہ کوئی نسلی امتیازات ہیں اور نہ کوئی علاقائی تعصبات! ایک مذہب ان کو جوڑے ہوئے ہے یعنی یہ سب ایک 'حبل اللہ' میں بندھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس ملک کا مستقبل بہت روشن ہے۔ جبکہ بھارت کا مستقبل بڑا تاریک ہے کیونکہ اس ملک کو جمع رکھنے والی کوئی قوت موجود نہیں۔ یہاں بہت سی نسلیں آباد ہیں' بہت سی بولیاں ہیں' بہت سے کلچر ہیں' بہت سے تمدن ہیں۔ کوئی بھی ایسی شے جو ان سب کے مابین قدرِ مشترک ہو' وہ موجود نہیں۔

"ٹائمز آف لنڈن" کا موجودہ ایڈیٹر اپنے پیش رو (Predecessor) کی یہ Assessment نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ اس وقت میں جو صورت حال دیکھ رہا ہوں وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ بھارت ایک بہت بڑی طاقت بن چکا ہے۔ وہ اپنے علاقے کی منی سپر پاور ہے۔ اس کے ہاں جمہوریت ہے' اس کے ہاں ابھی تک کسی خطے کی علیحدگی عمل میں نہیں آئی۔ اس کا ایک دستور ہے جس کی پٹڑی پر ریاست کی گاڑی رواں دواں ہے۔ اس کے برعکس پاکستان کی صورت حال ..... یہاں ٹائمز آف لنڈن کے ایڈیٹر کے الفاظ نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو وہی شعر صادق آتا ہے۔

ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے
ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ!

اُس وقت جس "روشن مستقبل" کے اندازے لگائے گئے تھے' وہ آج ہمارے تاریک حال کی صورت میں ہمارا مقدّر ہے۔

پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی شکست وریخت

ایک اور بات جو آپ کو بری لگے گی' لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ چونکیں' وہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان نظری اور نظریاتی سطح پر بھی ختم ہو چکا ہے اور زمینی اور واقعاتی اعتبار سے بھی ختم ہو چکا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے وہ پاکستان آج موجود نہیں ہے جو ۱۹۴۷ء میں وجود میں آیا تھا۔ اس کو تو ہم حسرت سے کہتے ہیں : پاکستان جو کبھی تھا! (Pakistan that was!) اس پاکستان کو بہت عرصے تک ہم بچا کھچا پاکستان (What remains of Pakistan) کہتے رہے' پھر آہستہ آہستہ ہم نے اسی کو "پاکستان" تسلیم کرلیا۔ نظریاتی سطح پر یہ ملک مسلم قومیت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ لیکن وہ مسلم قومیت آج کہاں ہے؟ ع ڈھونڈ اب اس کو چراغِ رخِ زیبا لے کر! ۔اندرا گاندھی نے تو ۱۹۷۱ء میں یہ کہا تھا کہ "ہم نے دو قومی نظریئے کو خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے۔" اور آج تو وہ نظریہ پاکستان اس پاکستان میں بھی نہیں ملتا۔ کہاں ہے وہ نظریہ پاکستان؟ اور کہاں ہے وہ مسلم قومیت؟ ع "ہرچند کہیں کہ ہے' نہیں ہے!" اب تو ہمارے زیڈ اے سلہری صاحب بھی مسلم قومیت پر لکھتے لکھتے تھک گئے ہیں اور اب اس کا نام نہیں لیتے۔ آخر کب تک لکھتے رہیں گے؟ ایک ہوائی اور خیالی بات کے اوپر کب تک طبع آزمائی ہوتی رہے گی؟ اب تو قومیتیں ہیں' عصبیتیں ہیں' جو لسانی بھی ہیں' نسلی بھی ہیں اور علاقائی بھی۔ مسلم قومیت تو ھَبَاءً مَنثُورا اور نَسیًا منسیًا ہو چکی!

ان دونوں حقائق کو سامنے رکھئے۔ آدمی حقائق کو دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور آنکھیں بند کر لینے میں عافیت سمجھتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ پاکستان دونوں اعتبارات

سے ختم ہو چکا ہے - اب اگر اللہ نے توفیق دی تو اس کا دوسری مرتبہ جنم (Re-Birth) ہوگا' انشاء اللہ! میری اس گفتگو میں وہ رخ بھی آئے گا لیکن اس وقت حال کا جائزہ لے لیجئے - حقائق سے صرفِ نظر کرنے کی ضرورت نہیں ہے - ۱۹۷۱ء میں ملک کا دولخت ہونا' تاریخ کی عظیم ترین ہزیمتوں میں سے ایک کا ئیکہ ہمارے ماتھے پر لگنا اور ہمارے ایک لاکھ کے لگ بھگ کڑیل جوانوں اور جرنیلوں کا اُن ہندوؤں کی قید میں چلے جانا جن پر ہم نے آٹھ سو برس تک حکومت کی تھی' انہی حقائق کے شواہد میں سے ہے! ان کے سینوں پر تو اس کا داغ اتنا گہرا ہے کہ وہ اسے ہزار سال کہتے ہیں - اندرا گاندھی نے کہا تھا:

"We have avenged our thousand years defeat"

(ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے!)

دہلی میں اسلامی حکومت ۱۲۰۶ء میں قائم ہوئی تھی اور اس اعتبار سے مسلم حکمرانوں کا دور ساڑھے چھ سو برس پر محیط ہے - لیکن اگر محمد بن قاسم (رحمہ اللہ) کی آمدِ سندھ سے شمار کیا جائے تو یہ مدت ہزار برس سے بھی زائد ہے - بہرحال انہوں نے اس کے اوسط کے اعتبار سے کہا کہ ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا ہے -

اس سے بھی زیادہ افسوسناک اور تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اگر مذہب اور اخلاق کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ہمارا دیوالہ نکل چکا ہے - اگر کوئی اس حد تک نہ جائے تو یہ مانے بغیر تو چارہ نہیں کہ جس جگہ ہم ۱۹۴۷ء میں تھے اس سے بہت پیچھے جا چکے ہیں - آج ہمارے ہاں جھوٹ' بددیانتی' بے ایمانی اور بے حیائی کو جس درجے فروغ حاصل ہو چکا ہے اُس وقت اس کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا - لوگ ہارس ٹریڈنگ کے نام تک سے واقف نہیں تھے - آج حالت یہ ہے کہ قوم کے قائدین برملا بِک رہے ہیں - اور وہ قائدین جن کے ماتھے پر مذہب کا لیبل ہے' اگر ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دس لاکھ روپے لئے ہیں' تو انہیں بھی اس اعتراف میں کوئی پشیمانی محسوس نہیں ہوتی کہ ہاں' ہم نے لئے ہیں' اخراجات کے نام پر لئے ہیں' ہم بکے نہیں ہیں' ہم نے سودا کیا ہے - ۱۹۴۷ء میں ایسی سودے بازی کا تصور مذہبی شخصیات کے لئے تو بہت دور کی بات ہے' کسی ملحد کے بارے میں بھی نہیں کیا جا سکتا تھا -

آج ہر اعتبار سے جائزہ لے لیجئے' نفاقِ باہمی اور نفاقِ کردار دونوں ہم پر پوری طرح

مسلّط ہیں- ایک تو وہ کردار کا نفاق ہے جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا:

((آیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلاثٌ : اِذا حَدَّثَ کَذِبَ' وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ' وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (متفق علیہ' عن ابی ہریرہ)

"منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب امین بنایا جائے خیانت کرے"-

ہمارے ہاں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا' اتنا ہی بڑا بے ایمان اور اتنا ہی بڑا خائن ہے- اور ہمارے ہاں اب یہ معروف کے درجے میں آچکا ہے- اس میں کوئی شرم و حجاب نہیں رہا- نفاقِ کردار کے علاوہ ہم نفاقِ باہمی کی صورت میں بھی عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آچکے ہیں- از روئے الفاظ قرآنی:

﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ .... ﴾ (الانعام : ۶۵)

"(اے نبی' ان سے) کہہ دیجئے کہ وہ قادر ہے اس پر کہ بھیج دے تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے' یا تمہارے قدموں کے نیچے سے' یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے سے ٹکرا دے اور تم میں سے ایک کو دوسرے کی قوت کا مزہ چکھا دے!"-

یعنی ایک دوسرے کے خنجر ایک دوسرے کے سینوں میں پیوست ہو جائیں- یہ بدترین عذاب ہے جس میں اللہ کو نہ اوپر سے کچھ نازل کرنے کی ضرورت ہے' نہ زمین کو پھاڑ کر کچھ نکالنے کی ضرورت ہے- آپس میں ہی لڑو' مرو! اور یہ کس جرم کی پاداش ہے؟ یہ میں بعد میں عرض کروں گا-

جو حضرات بھی بین الاقوامی پریس سے کچھ ربط و تعلّق رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عالمی اخبارات میں پاکستان کے بارے میں کس طرح کے تبصرے شائع ہوتے رہتے ہیں- مثلاً: "Pakistan is at the verge of balkanization"

(پاکستان تو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی بالکل سرحد پر پہنچ چکا ہے)-

پروفیسر ژائرنگ یہاں کے اسٹاف کالج میں رہے ہیں- ان کا ایک جملہ ملاحظہ کریں'

جس کی فصاحت و بلاغت پر تو داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ :

"Pakistan is still in the search of an identity"

(پاکستان تو تا حال کسی تشخّص کی تلاش میں ہے) یعنی میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ کیوں ہوں؟ یہی نہیں معلوم! قومی سطح پر ہمارا کوئی وجودِ مصدّقہ ہے بھی یا نہیں؟ خود ہماری آنکھوں میں یا دنیا کی آنکھوں میں؟ یہ بات جان لیجئے کہ ایک نام سے کسی ملک کے باقی رہ جانے کو زندگی نہیں کہتے - آج کی دنیا میں صورت حال بدل چکی ہے - سپر پاورز کے ٹکراؤ اور تقابل کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور ملکوں کو بھی ایک تحفّظ ملا ہوا ہے - لیکن جس طرح بڑے بڑے درختوں کے نیچے اگنے والا جھاڑ جھنکار (Under Growth) کسی شمار میں نہیں ہوتا' ویسے ہی بڑی طاقتوں کے سایۂ عافیت میں پنپنے والے ملکوں کا وجود وجودِ مصدّقہ کہلانے کا حق نہیں رکھتا - ان کا وجود کوئی باوقار و باعزت وجود' واقعتاً خود اختیاری' خود مختاری والا وجود' اپنے فیصلے خود اپنے ہاتھ میں رکھنے والا وجود' اپنی پالیسیاں خود بنانے والا وجود اور اپنی معیشت کے ڈھانچے اور سانچے خود تیار کرنے والا وجود تو نہیں ہے - محض ایک نام سے کسی ایک ملک کا دنیا میں ہونا وجودِ مصدّقہ نہیں ہے' کوئی "Authentic Personality" نہیں ہے -

---

ہمارے قومی وجود کا عقدہ اور اس کا حل

ہم میں سے ہر شخص کو سوچنا چاہئے کہ آخر ان سب باتوں کا سبب کیا ہے؟ اگر ایک جملے میں اس کا سبب بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ ہمارے قومی وجود کا یہ ایک ایسا عقدہ (Dilemma) ہے جو اگرچہ لاینحل نہیں لیکن پیچیدہ ضرور ہے کہ ایک جانب ہم نے ایک ایسا ملک بنایا جس کی کوئی جڑ بنیاد اسلام کے سوا نہیں ہے - میری اس بات سے کسی کو اختلاف ہو بھی تو اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اس کے استحکام کی کوئی بنیاد دین اور مذہب کے سوا نہیں ہے - اور دوسری طرف وہی دین و مذہب ہے جو یہاں ع ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے! بظاہر تو یہ ایک عقدۂ لاینحل ہے' لیکن اس عقدے کا حل موجود ہے جو میں پیش کروں گا -

پاکستان کی اصل اساس

اب تک کی تشخیص جو ایک جملے میں ہوئی ہے یہ ذرا وضاحت طلب ہے - مجھے اس عقدے کے اس پہلو کا تذکرہ بھی کرنا ہوگا کہ پاکستان کس بنیاد پر وجود میں آیا تھا- اس لئے کہ اب اسے بھی مختلف فیہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے - بانیانِ پاکستان میں سے جو بچے کھچے رہنما باقی ہیں ' جو بڑوں کی موت کے بعد بڑے بن گئے ہیں ' اگر وہ خود یہ کہیں کہ پاکستان مذہب کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا تھا تو کچھ نہ کچھ پیچھے پلٹ کر دیکھنا پڑے گا کہ واقعہ کیا ہے؟ کبھی حسین شہید سہروردی صاحب نے یہ بات کہی تھی کہ : "پاکستان وجود میں آیا ہے محض معاشی مسئلے کی بنیاد پر!" - چلئے ان کی شخصیت تو متنازعہ فیہ (Controversial) لوگوں میں شمار ہوتی ہے لیکن جناب نور الامین کی شخصیت تو اختلافی نہیں رہی - وہ تو اوّل و آخر مسلم لیگی ہیں - انہوں نے بھی یہی کہا - 'اردو ڈائجسٹ' میں ان کا مفصّل انٹرویو چھپا جس میں انہوں نے کہا کہ "اصل مسئلہ معاشی مسئلہ تھا!" - ابھی نظریۂ پاکستان کا سب سے بڑا محافظ (Custodian) تو پنجاب ہی ہے - اس کی اُس وقت کی بچی کھچی دو شخصیتیں ممتاز دولتانہ صاحب اور شوکت حیات صاحب ہیں - دولتانہ صاحب نے کہا کہ "یہ خالص سیاسی مسئلہ تھا - اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا" - پھر جب اس پر کچھ گرفت ہوئی تو کچھ چکر انہوں نے کھائے ' لیکن دلدل میں مزید پھنستے چلے گئے - اور شوکت حیات صاحب نے تو آخری بات کہہ دی کہ "یہ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ تو کچھ چھوکروں اور نوجوانوں کا لگایا ہوا نعرہ تھا ' کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی" - اب اگر نوجوان کنفیوژن میں ہوں اور انہیں پاکستان کی شناخت کے بارے میں اشکال ہوں تو الزام کسے دیا جائے؟

اس مسئلے کے کچھ پہلو ایسے ہیں جو کنفیوژن ' غلط فہمیوں یا فکری الجھاؤ کا سبب بنتے ہیں - لہٰذا ہم اس کا تھوڑا سا جائزہ لے لیتے ہیں - اصل میں اس مسئلے کی تین مختلف سطحیں (Levels) ہیں اور اسے اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ پانی ' جو کہ از روئے قرآنی حیات کا مبدأ ہے ' روئے ارضی پر تین سطحوں میں پایا جاتا ہے... (۱) سطح زمین پر

{۱} اس عرصے کے دوران ممتاز دولتانہ صاحب بھی مالک حقیقی کے حضور پہنچ چکے ہیں -

دریاؤں، نہروں، ندیوں اور چشموں کی صورت میں بہہ رہا ہے۔(۲) زیر زمین کم گہرائی میں بھی دستیاب ہے، جسے نلکوں اور کنوؤں وغیرہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔(۳) زیر زمین زیادہ گہرائی میں یعنی چار پانچ سو فٹ نیچے نہایت صاف شفاف پانی ہوتا ہے اور آج کل پینے کے لئے اسے ہی صحیح تر سمجھا جاتا ہے۔ پانی کی اس مثال سے اس مسئلے کی تین سطحیں بھی بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔

اس کی پہلی سطح بالکل نوشتہ دیوار (Writing on the wall) کی مانند ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے۔ کوئی دو لتانہ اور کوئی شوکت حیات اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ پوری دنیا مانتی ہے کہ مذہب کے نام پر صرف دو ملک بنے ہیں ـــــ ایک پاکستان اور دوسرا اسرائیل! اسرائیل کے بارے میں یہ بات غلط ہے، پاکستان کے بارے میں صحیح ہے!

لیکن اس سطح سے ذرا نیچے اتریں تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ تحریک پاکستان کا اصل جذبہ محرکہ (Real Motivating Force) کیا تھا؟ کیا وہ مذہبی جذبہ تھا یا کوئی اور؟ میرے نزدیک یہاں اختلاف کی گنجائش ہے اور میری اپنی رائے یہ ہے کہ وہ مذہبی جذبہ نہیں تھا۔ میرے پاس اس کی دو اور دو چار کی مانند دلیل یہ ہے کہ اگر مذہبی جذبہ ہوتا تو تحریک پاکستان کی قیادت مذہبی لوگوں پر مشتمل ہوتی کیونکہ کسی تحریک کا جو اصل جذبہ ہوتا ہے سب سے گاڑھی صورت میں اس کی قیادت میں نظر آتا ہے۔ لیکن تحریک پاکستان کی قیادت مذہبی لوگوں پر مشتمل نہیں تھی۔ مذہبی لوگ معاونین تھے، چاہے وہ علماء کرام ہوں یا مشائخ و صوفیاء عظام ہوں، وہ قائدین نہیں تھے۔ پھر وہ کون سا جذبہ تھا جو اس تحریک کی بنیاد بنا؟ اسے صرف 'سیاسی' قرار دیا جانا بھی غلط ہے اور صرف 'معاشی' قرار دیا جانا بھی غلط ہے۔ میری رائے میں یہ ایک قومی مسئلہ تھا اور تحریک پاکستان کا اصل جذبۂ محرکہ 'قومی' تھا۔ ایک چھوٹی قوم کو ایک بڑی قوم سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ بڑی قوم معاشی طور پر بھی ہمارا استحصال کرے گی، سماجی طور پر بھی ہمیں دبا دے گی اور تمدنی سطح پر بھی ہماری شناخت اور ہمارا تشخص ختم کر دے گی۔ اس کے علاوہ قومی سطح پر ہی ہمیں یہ خوف اور اندیشہ بھی لاحق تھا کہ جب اقتدار و اختیار اس قوم کے ہاتھ میں ہو گا تو یہ ہم سے اپنی کئی صدیوں کی محکومی کا

انتظام لے گی۔

اب مزید نیچے اتریں کہ جس قوم کو یہ خطرہ لاحق تھا اس کی قومیت کی بنیاد کیا تھی؟ کیا وہ ایک مشترک نسل کی بنیاد پر ایک قوم تھی؟ یا ایک زبان بولنے کی وجہ سے ایک قوم تھی؟ قومیت کی جتنی بنیادیں بھی ہو سکتی ہیں' یہاں ان سب کی نفی ہو جائے گی۔ وہ ایک قوم تھی تو صرف اور صرف مذہب کی بنیاد پر! کسی پٹھان یا بلوچی عورت کے لباس اور مشرقی پاکستان کی کسی مسلم خاتون کے لباس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح کھانے پینے کی عادات (Eating Habits) کس قدر مختلف ہیں۔ ایک بنگالی مسلمان انتہائی رغبت سے چاولوں کے ساتھ جس طرح کی مچھلی کھاتا ہے ہم میں سے اکثر اسے کھانا تو درکنار' دیکھ بھی نہیں سکتے! تو یہ پورے ہندوستان کے مسلمان کسی زبان' نسل یا کسی کلچر کی بنیاد پر قوم نہیں تھے۔ یہ قوم تھے تو مذہب کی بنیاد پر تھے! تو زیر زمین گہرائی سے جو سب سے صاف پانی نکلا وہ بھی مذہب ہی کا ہے۔ چنانچہ آخری تجزیئے (Final Analysis) کی بنیاد پر کوئی جڑ اور بنیاد اس ملک کی نہیں ہے سوائے اسلام کے! لیکن چلئے فی الحال اسے ہم مستقبل کے مؤرخ پر چھوڑ دیتے ہیں' اگرچہ اُس وقت کے اعتبار سے تو ہم بھی مستقبل میں بیٹھے ہیں' پھر بھی اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا اِس وقت اس کے استحکام کی کوئی بنیاد ہے؟

استحکامِ پاکستان کی ٹھوس بنیاد

کسی بھی اجتماعیت کی شیرازہ بندی کے لئے کوئی قدرِ مشترک درکار ہوتی ہے۔ ابنِ خلدون نے اس کے لئے ایک لفظ "عصبیت" استعمال کیا ہے کہ کسی قوم یا کسی ملک کی قوت کا دارومدار کسی عصبیت پر ہوتا ہے۔ مثلاً نسلی عصبیت یا لسانی عصبیت وغیرہ۔ اس عصبیت کو ہم لوگ برا لفظ سمجھتے ہیں' حالانکہ فی الاصل برائی کا مفہوم اس لفظ میں شامل نہیں ہے۔ جو شے بری ہے وہ عصبیت جاہلیؔ ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا تھا کہ ہمارے ابا جان حضرت یعقوبؑ نہ جانے کیوں محبت کرتے ہیں یوسف اور بنیامین سے' حالانکہ "وَنَحْنُ عُصْبَةٌ" ہم ایک گروہ ہیں' طاقت ہیں' دس کڑیل جوان ہیں۔ تو 'عُصبہ' سے 'عصبیت' بنا ہے۔ یعنی کسی اجتماعیت کو جوڑنے والی کوئی شے عصبیت کہلاتی ہے۔ اجتماعیت

کی شیرازہ بندی کرنے والی کوئی عصبیت ہوگی تو اجتماعیت مضبوط ہوگی' ورنہ شیرازہ منتشر ہوگا- اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ہمارے پاس کونسی عصبیت ہے جو ہمیں مجتمع رکھ سکے!

تاریخی تقدس

ملکوں اور قوموں کے استحکام کے لئے جو چیزیں بنیاد بن سکتی ہیں وہ میں یہاں ایک ایک کر کے بیان کرتا ہوں- آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کوئی شے ہمارے پاس نہیں ہے-

پہلی چیز ہوتی ہے تاریخی تقدّس (Historical Sanctity) کسی ملک کے نام کو تاریخی تقدس حاصل ہو جائے تو اس کا نام نہیں بدلا کرتا- چین کا بہت بڑا رقبہ جاپان کے زیرِ تسلّط رہا لیکن چین چین رہا اور جاپان جاپان- یہی کہا گیا کہ جاپان نے چین کے اتنے رقبے پر قبضہ کر لیا- یہ تقدّس ہمیں حاصل نہیں- پچاس برس پہلے پاکستان کے نام سے کوئی ملک دنیا میں موجود نہیں تھا- اور اس کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ جب مشرقی پاکستان کی علیٰحدگی ہوئی تو ہمارے بنگالی بھائیوں نے پاکستان کا لیبل اٹھا کر خلیج بنگال میں پھینک دیا' اس لئے کہ ان کے نزدیک اس نام کی کوئی قدر و قیمت تھی ہی نہیں- ورنہ اگر دو بھائی مشترکہ طور پر کوئی چھوٹی سی دکان بھی کریں تو اس کا جو نام رکھتے ہیں اس نام کی کوئی قیمت' کوئی Goodwill ہوتی ہے اگر وہ علیٰحدہ ہوں تو اس نام کی قیمت الگ سے مقرر کی جاتی ہے- لیکن پاکستان کے نام کی اتنی قیمت بھی ہمارے مشرقی پاکستانی بھائیوں نے نہیں سمجھی- حالانکہ دو کوریا آج تک موجود ہیں' دو یمن ہیں' دو جرمنی ہیں تو کیا دو پاکستان نہیں ہو سکتے تھے؟ اور ایک نام والے دوسرے ممالک تو ملحق بھی ہیں جبکہ ہمارے درمیان تو ہزار میل کا فاصلہ بھی تھا- یہ درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ ابھی اس نام کی کوئی قدر و قیمت یا Good will نہیں ہے' تاریخی تقدّس (Historical Sanctity) تو بڑا بھاری لفظ ہے-

جغرافیائی عامل

اس ضمن میں دوسرا اہم Factor ہوتا ہے جغرافیائی سرحدوں کی قدرتی تقسیم- بعض ممالک بڑے دریاؤں یا پہاڑوں کی صورت میں قدرتی سرحدوں کے حامل ہوتے ہیں جو انہیں حفاظت فراہم کرتی ہیں- لیکن ہمارا حال کیا ہے؟ مشرقی اور مغربی خطوں پر

مشتمل پاکستان تو تاریخ کا ایک عجوبہ تھا' جس کے دونوں خطے ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھے اور درمیان میں بہت بڑا دشمن ملک اور اُس غریب مشرقی پاکستان کا حال تو یہ تھا کہ تین اطراف سے اس دشمن ملک میں اس طرح گھرا ہوا تھا کہ کہیں کوئی قدرتی رکاوٹ (Natural Barier) نہیں - دھان کے کھیت اس طرح چلے گئے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہاں ایک ملک ختم ہو رہا ہے اور دوسرا شروع ہو رہا ہے - اور اُس وقت تک تو خاردار باڑ بھی نہیں تھی - بہرحال اب بھی جو ہمارا اصل دشمن ہے جس نے ہمارے وجود کو ذہناً تسلیم نہیں کیا اور اس کے صحافی یہاں آکر کہہ جاتے ہیں کہ ہم نے پاکستان کو تسلیم کیا ہے' دو قومی نظریئے کو تسلیم نہیں کیا' اس ملک کے ساتھ ہماری کوئی قدرتی سرحد نہیں ہے - گویا نہ تاریخ ہماری پشت پر ہے نہ جغرافیہ !!

قومی جذبہ

تیسری چیز جو کسی ملک کے استحکام کی بنیاد بن سکتی ہے وہ ہوتی ہے قومی عصبیت - واقعہ یہ ہے کہ کوئی مضبوط قوم پرستانہ جذبہ ہو تو وہ تاریخ سے بھی لڑ جاتا ہے اور جغرافیئے کو بھی شکست دے دیتا ہے - قائداعظم سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا تھا کہ آپ پاکستان بنانا چاہتے ہیں' ذرا یہاں کے جغرافیئے کو تو دیکھئے ! تو اس کے جواب میں انہوں نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا :

"Some people are talking about some Geographical difficulties in the way of Pakistan : May I ask them by what rule of Geography are they here?"

یعنی میں ان برطانویوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ جغرافیئے کے کس اصول کے تحت سات سمندر پار سے آکر یہاں حکومت کر گئے ہیں ؟ بہرحال کوئی قومی جذبہ اگر واقعتاً موجود ہو تو وہ جغرافیئے کو بھی شکست دے دیتا ہے اور تاریخ کے دھارے کا رخ بھی بدل دیتا ہے -

قوم پرستی کی اقسام

۱- نسلی قومیّت

قومیت کے لئے جو چیز بنیاد بن سکتی ہے وہ نسل بھی ہو سکتی ہے اور زبان بھی ! نسلی

قومیت کا جذبہ آج بھی بڑا موثر جذبہ ہے۔ جرمن قوم کہتی ہے "We are a superior race" (ہم ایک اعلیٰ نسل ہیں!) اور یہ بات ان کے ایک ایک بچے کے ذہن میں پروان چڑھی ہے۔ یہودی کہتے ہیں :

"We are the chosen people of the Lord"

(ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور لاڈلے ہیں)۔ قرآن حکیم نے ان کے الفاظ نقل کئے ہیں :

"نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ"

درحقیقت اسرائیل نسل کی بنیاد پر بننے والا ملک ہے' مذہب کی بنیاد پر نہیں۔ مذہبی یہودی تو اس کی پشت پر تھے ہی نہیں۔ آج بھی امریکہ میں جو مذہبی یہودی ہیں وہ پرو اسرائیل نہیں ہیں۔ یہ صیہونی تحریک (Zionist Movement) ایک نسلی تحریک تھی۔ آج بھی دنیا میں قومیت کے لئے سب سے بڑی بنیاد نسل ہے' جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ پاکستان تو نسلوں کی کھچڑی' بلکہ صحیح تر الفاظ میں 'حلیم' ہے۔ اس میں سامی النسل قومیں مثلاً قریشی' سید' علوی' صدیقی' عثمانی' فاروقی بھی ہیں۔ پھر یہاں بلوچستان میں دراوڑی نسل بھی آباد ہے۔ ان کے علاوہ آریائی ہیں' جن میں جاٹ' راجپوت اور شیخ وغیرہ ہیں جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور پھر مغل نسل میں سے ترک اور خلجی وغیرہ ہیں۔ چنانچہ نسلی قومیت ہمیں استحکام کی کوئی بنیاد فراہم نہیں کر سکتی۔

۲۔ لسانی قومیت

قومی عصبیت کے لئے لسانی قومیت بھی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر سکتی ہے۔ جیسے عرب قومیت کی بنیاد درحقیقت عربی زبان ہے۔ اور اس میں اتنی قوت تھی کہ اس کے بل پر صدر ناصر نے انگریزوں کو اٹھا کر بحیرۂ روم میں پھینکا تھا۔ اسی کی بنیاد پر الجزائر نے فرانس سے نجات حاصل کی تھی۔ لیکن ہمارے ہاں کسی زبان کے ساتھ بھی وہ عصبیت موجود نہیں ہے۔ ایک وقت میں تحریک پاکستان کے دوران اردو کو یہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی' اس لئے کہ اُس وقت مقابلہ ہندو کی زبان ہندی سے تھا۔ جسے کہا گیا ع "یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے!" لیکن جب ہم آزاد ہوئے تو اردو کی وہ حیثیت نہیں رہی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں پہلی تقسیم زبان ہی کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ "بنگلہ بھاشا" (بنگالی زبان) ہی

نے بنگلہ قومیت کے لئے بنیاد فراہم کی اور بالآخر بنگلہ دیش کو جنم دیا- پھر یہ پاکستان بھی ابھی تک اردو کو اپنی قومی زبان کی حیثیت سے اختیار نہیں کر سکا- اب بھی کم از کم ایک زبان ایسی ہے جو اردو کی برتری کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں- ہمارے سندھی بھائیوں کا یہ دعوٰی بے بنیاد نہیں ہے کہ اردو کل کی چھوکری ہے' تین چار سو برس پہلے اس کا وجود تک نہیں تھا- جبکہ سندھی زبان بڑی قدیم زبان ہے- قرآن مجید کی پہلی تفسیر اسی زبان میں لکھی گئی- کاش کہ ہمارے رہنماؤں کو عقل ہوتی اور پاکستان بننے کے فوراً بعد یہاں کی سرکاری زبان کے لئے عربی کے حق میں فیصلہ ہو جاتا تو یہاں نہ بنگلہ بھاشا کے لئے عصبیت ابھرتی اور نہ سندھی کے لئے! اس پر سب سے زیادہ زور خود سندھیوں نے لگایا تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان عربی کو بنایا جائے- میں جب داؤد گیا تھا تو مجھے ۱۹۴۸ء یا ۱۹۴۹ء میں لکھی ہوئی ایک باقاعدہ کتاب ملی تھی جو اس کے حق میں تھی کہ عربی زبان کو سرکاری زبان بنایا جائے- اگر ایسا کر لیا جاتا تو اب تک ہماری دو نسلیں عربی سیکھ چکی ہوتیں اور ہم عرب دنیا کا حصہ بن چکے ہوتے- اُس وقت بہت سے اور لوگ بھی یہ کہنے والے تھے- مثلاً سر آغا خاں نے یہ بات کہی تھی' پھر زاہد حسین مرحوم نے یہ بات کہی- لیکن ہماری جذباتیت نے حقائق کو دیکھنے سے گریز کیا- بہرحال اس وقت میری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ پاکستان کو جوڑنے والی کوئی لسانی عصبیت موجود نہیں ہے' کاٹنے والی بہتیری ہیں!

۳- وطنی قومیت

اسی طرح وطنی عصبیت بھی ایک مؤثر عنصر ہے اور یہ آج کی دنیا کی سب سے معروف شے ہے- یعنی ایک ملک میں رہنے والے بلالحاظ مذہب و نسل و زبان ایک قوم ہیں- لیکن میری بات کان کھول کر سن لیجئے کہ پاکستانی قومیت ہمارے پاسپورٹوں پر لکھنے کے لئے تو ہے' لیکن حقیقت میں پاکستانی قومیت کا وجود نہ آج تک ہوا ہے' نہ قیامت تک ہوگا- کیونکہ ہم نے وطنی قومیت کی کامل نفی پر ہی تو یہ ملک بنایا تھا- آخر کانگرس کے ساتھ ہمارا جھگڑا کیا تھا؟ ایک قومی اور دو قومی نظریہ تھا کیا؟

"عرض کیجئے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل اٹھا!"

کا مصداق ہے، فرماتے ہیں ؎

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے، جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

مسلمان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے اس میں زمین کی عظمت اور تقدس کا کوئی حصہ ہے ہی نہیں۔ مسلمان کے خمیر میں آفاقیت ہے اور خاص طور پر برعظیم پاک و ہند کے مسلمان نے تو اپنے دکھ پر بھی کبھی آنسو نہیں بہائے۔ وہ ہمیشہ باہر کے مسلمانوں کے دکھ پر رویا ہے۔ وہ دکھ طرابلس کے مسلمان کا ہو یا ترکی کے مسلمان کا! حمید الدین فراہیؒ رو رہے ہیں کہ ؎

کیف القرار وقد نُکس اعلامنا بطرابلس
(کیسے قرار آئے کہ ہمارے جھنڈے طرابلس میں سرنگوں ہو گئے ہیں!)

یہ تو کانگرس کا موقف تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے ایک 'ہندوستانی قوم' (Indian Nation) ہیں، خواہ وہ ہندو ہوں، مسلم ہوں، سکھ ہوں یا پارسی ہوں۔ ہم نے وطنی قومیت کے اس تصور کی نفی کی۔ قائداعظم کے الفاظ ہیں کہ ہم قومیت کے ہر معیار و تصور کے مطابق ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ہماری قومیت کی بنیاد ہمارا مذہب اور ہماری ثقافت ہے۔ اور مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے تو اس ضمن میں وہ بات کہی ہے کہ جو

جنگِ طرابلس میں ایک بچی فاطمہ کی شہادت پر اس برِّ عظیم کا "برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز" خون کے آنسو روتا ہے۔ حضورِ رسالت مآبؐ میں حاضری پر عرض کرتا ہے ؎

"مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں"

خلافت کی تحریک دنیا کے کسی اور گوشے میں نہیں چلی' صرف ہندوستان میں چلی! کیا وہ ہندوستان کا مسئلہ تھا؟

بہرحال اس ملک میں پاکستانی نیشنل ازم بھی کسی صورت کامیاب نہیں ہو سکتا- جو کوئی اس پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں کان کھول کر سن لیں کہ اس کے لئے کوئی جڑ بنیاد ہے ہی نہیں- اگر آپ نے علاقہ اور زمین کو تقدس دیا تو ایک سندھی کے لئے سندھ ایک زیادہ بڑی حقیقت ہے- وہ جب کہتا ہے "مونجھو سندھڑی" (میرا پیارا سندھ) تو اس کے ایک ایک حرف میں اس کے تمام تر جذبات و احساسات اور قلبی کیفیات کی عکاسی ہوتی ہے- سندھ کے ساتھ اس کا زبان کے علاوہ تاریخ و ثقافت کا بھی اشتراک ہے- چنانچہ وطنی قومیت بھی ہمارے ملکی و قومی استحکام کی بنیاد نہیں بن سکتی' بلکہ یہ اس کے مخالف جاتی ہے- معلوم ہوا کہ علامہ اقبال کا وہ شعر کسی اور مسلمان ملک پر راست آتا ہو یا نہ آتا ہو' ہم پر سو فیصد راست آتا ہے کہ ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ؐ !

استحکامِ پاکستان کی واحد بنیاد ـــــ اسلام

ہمارے پاس صرف اور صرف ایک ہی چیز ہے جو اس ملک کے استحکام کی بنیاد بن سکتی ہے- اور وہ ہے مذہبی جذبہ- یہ مذہبی جذبہ ہی پاکستان کو وجود میں لایا تھا اور یہی ہے جو اس کو مستحکم کر سکتا ہے- میں چیلنج کرتا ہوں کہ اجتماعیاتِ انسانی (Human Sociology) کا کوئی طالب علم مجھے بتائے کہ اِن جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ "پاکستان" کے نام سے یہ جو خطۂ ارضی ہے' کیا کوئی اور جذبہ ایسا ہو سکتا ہے جو اس کو جوڑ کر رکھے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے- یہ دنیا کا واحد ملک ہے جس کی ولدیت اسلام ہے- جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنا نام بتایا کرتے تھے: 'سلمان ابن اسلام' اسی طرح یہ ملک پاکستان ابن اسلام ہے!

مذہبی جذبے کے بارے میں البتہ یہ بات نوٹ کیجئے کہ یہ جذبہ دو قسم کا ہے - وہ مذہبی جذبہ جو پاکستان کو وجود میں لایا اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس مذہبی جذبے سے مختلف تھا جو آج ہمیں درکار ہے - اُس مذہبی جذبے میں صرف نام کا اسلام بھی کافی تھا - عمل میں اسلام ہو یا نہ ہو اس سے کوئی غرض نہ تھی - کوئی شخص کتنا ہی بے عمل ہو' بے نمازی ہو' زانی ہو' شرابی ہو' شراب کا ٹھیکیدار کیوں نہ ہو' اس کے لئے دعوتِ عام تھی "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ!" بس نام ہونا چاہئے عبدالرحمٰن یا غلام علی' اس کے کردار سے کوئی بحث نہیں' اس لئے کہ مقابلہ ہندو سے تھا - لیکن اب وہ معاملہ نہیں چل سکتا کیونکہ وہ ہندو تو اب سرحد کے اُس پار ہے - وہاں سے تو ہوا کے دوش پر محبت کے زمزمے آتے ہیں - ٹی وی' ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے ہم سے دوستی کا دم بھرا جاتا ہے - وہاں سے ہر قماش کے طائفے..... طوائفوں سمیت..... چلے آتے ہیں اور آج کے نوجوان مسلم کو اس دامِ فریب سے روکنے والی کونسی چیز ہے؟ تحریک پاکستان کے مذہبی جذبے کا محرک تو ایک ردِّ عمل تھا - ع "مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے" کے مصداق ہندو کی متعصب ذہنیت نے ہمیں محسوس کرا دیا تھا کہ ہم اور ہیں' وہ اور ہے - لیکن وہ جذبہ جو اُس وقت کام دے گیا اب نہیں دے سکتا - اب تو حقیقی' واقعی اور عملی اسلام درکار ہے' جسے لوگ پہچانیں کہ یہ اسلام ہے - اور وہ ان کے اندر سے جذبۂ ایثار' جذبۂ قربانی اور جذبہ جہاد کو ابھارے - یہ جذبے حقیقت کی بنیاد پر ابھرا کرتے ہیں، نعروں کی بنیاد پر نہیں!

پاکستانی معاشرے کا جائزہ اسلام اور ایمان کے حوالے سے

اب ذرا اس اعتبار سے اپنے معاشرے کا جائزہ لے لیجئے - میں یہ جائزہ دو اعتبارات سے لوں گا (۱) اسلام کے ساتھ عملی تعلق کے اعتبار سے اور (۲) اسلام کی جڑ بنیاد' ایمان' کے حوالے سے! میں اپنا مشاہدہ آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں - ممکن ہے کہ آپ میں سے کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو - اس کے لئے میں چار ہم مرکز دائروں (Concentric Circles) کی مثال دیا کرتا ہوں - ایک ہی نقطے کے گرد گھومنے والے یہ دائرے مختلف قطر کے حامل ہیں..... ایک چھوٹا دائرہ' پھر ذرا بڑا دائرہ' پھر اس سے بڑا اور پھر بہت

بڑا دائرہ - میرے نزدیک ہماری آبادی کا پچاسی فیصد حصہ اس بڑے دائرے میں ہے' جبکہ بقیہ تینوں دائروں میں پندرہ فیصد - ان میں سے بھی دوسرے میں آٹھ فیصد' تیسرے میں پانچ فیصد اور آخری میں دو فیصد سے زائد نہیں - یہ میرا اندازہ ہے - اس تقسیم میں آپ ہندسی اعتبار سے (Numerically) تھوڑا بہت اِدھر سے اُدھر جا سکتے ہیں - سب سے بڑا دائرہ جو ہماری آبادی کے پچاسی فیصد حصے پر محیط ہے' اس کے بارے میں آپ کو یہ ناخوشگوار حقیقت تسلیم کرنا پڑے گی کہ اس کا اسلام سے عملاً کوئی تعلق نہیں ہے - اس لئے کہ عملی تعلق کو جانچنے کے لئے ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیمانہ عطا فرمایا ہے - آپ نے ارشاد فرمایا :

بین الکفر والایمان ترک الصلاۃ

"کفر اور ایمان کے مابین حد فاصل نماز ہی تو ہے"۔

آپ اس پیمانے کو ہاتھ میں لے کر ذرا جائزہ لیجئے کہ ہماری آبادی کے کتنے فیصد لوگ نماز پنجگانہ کے پابند ہیں - اس پیمانے پر عوام کو بھی پرکھئے اور خواص کو بھی' گلبرگ اور ماڈل ٹاؤن کے مکینوں کو بھی اور جھگیوں اور فٹ پاتھ پر رہنے والوں کو بھی' بڑے بڑے جاگیرداروں کو بھی اور غریب کسانوں کو بھی ------ آپ کو نسبت و تناسب میں کچھ فرق نظر نہ آئے گا! لے دے کر آپ کو عیدین کی نماز کا کچھ اہتمام نظر آجائے گا' یا پھر مُردے کی تجہیز و تکفین اور شادی کے موقع پر نکاح وغیرہ جیسی سماجی رسومات (Social Customs) مسلمانوں جیسی مل جائیں گی - لیکن دین کے ساتھ عملی تعلق کا اصل معیار تو نماز پنجگانہ ہے - اس معیار پر آپ کی آبادی کا پچاسی فیصد حصہ پورا نہیں اترتا -

اس بڑے دائرے کو چھوڑ کر آپ اندر کے دائروں کی طرف آئیں تو زیادہ سے زیادہ پندرہ فیصد لوگ وہ ہوں گے جو نماز پنجگانہ کے پابند ہیں - پھر ان میں سے بھی آٹھ فیصد لوگ وہ ہیں جن کا تصوّرِ اسلام محدود (Limited) بھی ہے اور مسخ شدہ (Perverted) بھی! محدود اس معنی میں کہ نماز روزے سے آگے انہیں کوئی سروکار نہیں - اور مسخ شدہ اس معنی میں کہ ان کے ہاں بلیک مارکیٹنگ بھی ہے' سودی کاروبار بھی ہے' جوا اور سٹہ بھی ہے ، Forward Trading بھی ہے' اور جھوٹے اور غلط حسابات

بھی ہیں ——— اور اس سب کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعمیر بھی ہے' مدارس کے لئے عطیات بھی ہیں اور علماء کی خدمت بھی ہے - ان کے نزدیک مذہب صرف بعض علامات (Symbols) اور رسومات (Rituals) کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے اور اس کا کوئی تعلق نہ انسان کی انفرادی سیرت و کردار سے رہ گیا ہے نہ قومی و ملی امور اور اجتماعی معاملات سے - دین کا یہ تصور محدود بھی ہے اور مسخ شدہ بھی!

اس دوسرے دائرے کے اندر ایک تیسرا چھوٹا دائرہ ہے جو اُن لوگوں پر مشتمل ہے جن کا تصورِ دین و مذہب خاصا وسیع ہے اور وہ جانتے ہیں کہ دینِ اسلام انسان کی پوری زندگی کو اپنے احاطہ میں لینا چاہتا ہے - اس کے ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں احیائے اسلام کی آرزو اور اقامتِ دین کی تمنّا بھی موجود ہے ——— لیکن اس طبقے کی ایک بڑی اکثریت اس کے لئے خود کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں - وہ اس راہ میں جدّوجہد کرنے والوں کے لئے زبان سے تائید و تحسین کے چند جملے تو ادا کر دیں گے' لیکن خود کسی ایثار و قربانی یا محنت و کوشش کے لئے آمادہ نہ ہوں گے -

ان تینوں دائروں کے اندر ایک نہایت چھوٹا سا دائرہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے جنہیں مذہب کے لئے سرگرم کار (Religious Activists) لوگوں کا حلقہ کہا جا سکتا ہے' جس میں ہماری کل آبادی کی ایک یا دو فیصد سے زیادہ تعداد شامل نہیں ہے - تو یہ ہے میرے نزدیک اسلام کے ساتھ ہمارے عملی تعلق کا ایک جائزہ!

اب ایمان کے اعتبار سے بھی جائزہ لے لیں - اس اعتبار سے میں دو حصے کروں گا -

۱- عوام کا ایمان ۲- خواص کا ایمان - عوام کے ایمان کی حیثیت محض ایک "DOGMA" کی ہے - بس ایک عقیدے کی پوٹلی دماغ کے کسی کونے میں رکھی ہوئی ہے جو عمل پر اثر انداز نہیں ہوتی - ان کی حقیقی اقدار یعنی ان کے نزدیک زندگی میں کیا چیز اہم ہے اور کیا اہم نہیں ہے' اس کا کوئی تعلق اس ایمان کے ساتھ نہیں ہے - جبکہ خواص کا معاملہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ لوگوں میں جو مذہبی لوگ ہیں ان کی اکثریت علماءِ سُوء پر مشتمل ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو دین کا حُلیہ اس طرح نہ بگڑتا - ان کا حال بھی یہ ہے کہ ان کے نزدیک اصل شے پیسہ ہی ہے - ان کے ہاں بھی وہی تنخواہوں کے چکر ہیں' وہی جائیدادیں بنانے کی فکر ہے -

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ

لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ

"اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے حروف کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔"

وعلماء ھم شر الناس تحت ادیم السماء

"اور ان کے علماء (کا حال یہ ہو گا کہ وہ) آسمان کی چھت کے نیچے کے بدترین انسان ہوں گے۔"

ہمارے علماء کی اکثریت کا آج یہی حال ہے۔

دوسری طرف ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ الحاد و مادہ پرستی کا شکار ہے اور اپنے دین سے بالکل بے بہرہ اور برگشتہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ہمارا نظامِ تعلیم ہے۔ ہماری کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمیں انگریز کی غلامی سے نجات ملے ہوئے نصف صدی ہونے کو ہے' لیکن ہم نے ابھی تک اپنے سابقہ آقاؤں کا دیا ہوا نظام تعلیم سینے سے لگا رکھا ہے۔ بہت عظیم ہیں وہ لوگ جو اس نظام تعلیم سے گزر کر بھی اپنے ایمان و اسلام کی پونجی سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھتے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ایک بڑا بلیغ جملہ ہے کہ "جو شخص اس نظام تعلیم سے گزر کر بھی مسلمان رہ جائے' اس کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں رہ سکتا۔ یا تو وہ بالکل کودن ہے اور یا مادر زاد ولی ہے"۔ یعنی یا تو اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں نے پڑھا کیا ہے' اور یا وہ مادر زاد ولی تھا جو اس پر کوئی شے اثر کر ہی نہیں سکی۔ البتہ سائنس کے طالب علم اس کے مہلک اثرات سے پھر بھی کسی حد تک بچ جاتے ہیں' اور خود میں بھی اسی لئے محفوظ رہا' کیونکہ سائنس میں مذہب کے ساتھ زیادہ تصادم نہیں ہے۔ مذہب سے تصادم ہوتا ہے ادب میں' کلچر میں' سوشیالوجی میں' پولیٹکل سائنس میں' فلاسفی میں' سائیکالوجی میں اور تاریخ میں۔ یہ مضامین مذہب کے سامنے چیلنج پیش کرتے ہیں اور ہمارے نظام تعلیم میں ان کے چیلنج کا کوئی جواب شامل نہیں ہے۔ چنانچہ طلبہ کی اکثریت اس سے گمراہ ہو جاتی ہے۔

تصویر کا روشن رُخ

میں نے اب تک جو بات آپ کے سامنے رکھی ہے' اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ بڑی تاریکی ہے' بہت اندھیرا ہے' بلکہ تاریکی ہی تاریکی ہے' "ظلمات بعضھا فوق بعض" کا عالم ہے۔ البتہ اس سب کے باوجود ایک روشن پہلو بھی ہے' جو ہمیں امید کا دامن تھامے رکھنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ اسے ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ "مشیتِ ایزدی ہے"۔

اسلام کا عالمی غلبہ اور پاکستان

جس طرح آسمان و زمین کی تخلیق میں' گردشِ لیل و نہار میں' آسمان سے نازل ہو کر مردہ زمین کو زندہ کر دینے والی بارش اور اس طرح کی ہزاروں نشانیوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر موجود ہیں' اسی طرح اس کی مشیت کے مظاہر بھی بہت واضح اور نمایاں ہیں۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ اسی خطۂ ارضی سے اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم مشیت وابستہ ہے جس کی خبر دی تھی محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ وقت آ کر رہے گا کہ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین اسی طرح غالب ہو گا جیسا کہ آنحضورؐ کے ہاتھوں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت مقداد ابن اسودؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر اور نہ کوئی کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ باقی رہے گا مگر یہ کہ اللہ اس میں اسلام کا کلمہ داخل کر کے رہے گا ـــــ عزت والے کے اعزاز کے ساتھ اور ذلیل کی ذلت کے ساتھ۔ یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو عزت عطا فرما دے گا اور کلمۂ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا یا انہیں مغلوب فرما دے گا کہ اسلام کے محکوم بن جائیں!" یعنی یا تو اس گھر یا خیمہ والے اسلام قبول کر لیں گے اور وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کے مصداق عزت والے ٹھہریں گے۔ بصورت دیگر يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ کے مصداق انہیں جزیہ دینا پڑے گا اور نیچے ہو کر رہنا پڑے گا۔ لہٰذا اسلام کو تو ہر گھر میں داخل ہونا ہی ہونا ہے!

دوسری روایت حضرت ثوبانؓ کے حوالہ سے امام مسلمؒ لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے لئے کُل زمین کو لپیٹ دیا گیا اور مجھے اس کے مشارق و

مغارب سب دکھائے گئے - اور یقیناً میری امت کی حکومت اُس پوری زمین پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے دکھائی گئی" - تو یہ مشیّتِ ایزدی ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے اور اس کی خبر دینے والے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو "الصّادق المصدوق" ہیں - ان کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں - اب ظاہر بات ہے کہ اس کا آغاز کسی ایک خطے سے ہو گا - اُس وقت بھی غلبۂ اسلام عرب کے ایک خطے سے شروع ہوا تھا اور پھر جو پھیلا تو اس حد تک کہ ع - تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا! ربع صدی سے بھی کم مدّت میں دریائے جیحوں سے لیکر بحرِ ظلمات تک اسلامی حکومت قائم ہو گئی - ع - بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے! اور اُس وقت اگر عبداللہ بن سبا کی سرکردگی میں یہود کی سازش کامیاب نہ ہو جاتی جس نے مسلمانوں کو باہم لڑا دیا' تو روئے ارضی کا کوئی خطہ ایسا نہ رہ جاتا جہاں اسلامی اقتدار کا پرچم نہ لہراتا - کون تھا جو اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو آگے بڑھ کر روک لیتا - قیصر و کسریٰ کی حکومتیں یعنی اُس دور کی سپر پاورز مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی تھیں - کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی تھی جو مقابلے پر آ سکتی - یہ تو اندرونی انتشار تھا جس کے باعث غلبۂ اسلام کا عمل رک گیا - بہرحال یہ عمل پھر کہیں نہ کہیں سے شروع ہو گا اور مشیتِ الٰہی کے مظاہر اور شواہد یہ بتا رہے ہیں کہ وہ یہی خطۂ ارضی ہے! میں نے یہ شواہد اپنی کتاب "استحکامِ پاکستان" میں تفصیلاً بیان کئے ہیں' یہاں مختصراً بیان کروں گا -

'الف ثانی' کی تجدیدی مساعی اور برعظیم پاک و ہند

پچھلے چار سو برس کی تاریخ گواہ ہے کہ مجدّدینِ امت اور ان کے تجدیدی کارنامے ہمیں اسی خطۂ ارضی میں نظر آتے ہیں - سنِ ہجری کے الفِ اول یعنی پہلے ہزار سال پورے ہونے کے بعد گیارہویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک مجدد الف ثانی شیخ احمدؒ سرہندی' شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی' شاہ اسماعیلؒ شہید' سید احمدؒ شہید بریلوی اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی جیسے رجالِ دین اسی برعظیم پاک و ہند میں پیدا ہوئے - (اس دوران عالم عرب میں ہمیں صرف ایک شخصیت محمد بن عبدالوہابؒ کی نظر آتی ہے جن کا معاملہ' خاص طور پر پاک و ہند میں' خاصا اختلافی (Controversial) ہے - کیونکہ یہاں انگریزوں نے انہیں بہت بدنام کر دیا تھا - انہیں اگرچہ فلسفہ و منطق میں کوئی درک

نہیں تھا' لیکن ان کا کام اس اعتبار سے بہت عظیم تھا کہ انہوں نے مشرکانہ اوہام اور رسومات و بدعات کا خاتمہ کیا) تحریکِ شہیدین جیسی عظیم تحریکِ جہاد اسی سرزمین سے برپا ہوئی - پھر چودھویں صدی ہجری میں جتنی عظیم شخصیات اس خطۂ زمین میں پیدا ہوئیں پورا عالم اسلام اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے - شیخ الہند مولانا محمود حسن جیسے جامع صفات مجاہد و عالم دین' مولانا ابو الکلام آزاد جیسا داعیٔ قرآن اور علامہ اقبال جیسا نابغہ روزگار مفکرِ قرآن اور رومیٔ ثانی ------ یہ سب اسی خاک سے اٹھے ہیں - پھر اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے قائم ہونے والی تحریکِ جماعت اسلامی' جس کا لٹریچر پورے عالم اسلام میں پھیلا اور اس نے عالم عرب کی عظیم تحریک "الاخوان المسلمون" تک کو فکری غذا فراہم کی - دوسری طرف علماء کے حلقے سے تبلیغی جماعت کی تحریک بھی یہیں سے اٹھی جو نہ صرف عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں پھیل چکی ہے -

پاکستان کا معجزانہ قیام اور نصرت و حفاظتِ خداوندی

آگے چلئے' کچھ معجزات کا مشاہدہ کیجئے - ان میں سب سے بڑا معجزہ پاکستان کا قائم ہو جانا ہے - اسے کوئی بھی حالات کا نتیجہ ثابت نہیں کر سکتا - خاص طور پر جب قائد اعظم نے کیبنٹ مشن پلان کو مان لیا تھا' اور گویا کہ آزاد پاکستان کے مطالبے سے خود مسلم لیگ دست بردار ہو گئی تھی' اس کے بعد تو پاکستان اللہ نے ٹھونسا ہے آپ پر! اگر پنڈت نہرو کا بیان اس کے خلاف نہ آتا تو کیبنٹ مشن پلان منظور ہو جاتا - اور اس کے مطابق ایک مرکزی حکومت کے تحت تین زون (Zones) پر مشتمل ہندوستان وجود میں آجاتا - اگر یہ ہو جاتا تو پھر مرکزی حکومت کسی زون کو الگ ہونے دیتی؟ بھارت نے کسی کو علیحدہ ہونے دیا آج تک؟ تو یہ ملک تو اللہ نے اس کے مطالبے سے دست بردار ہو جانے کے باوجود ہمیں عطا کر دیا - اس لئے کہ ہم نے کہا تھا کہ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کے اخوت و حریت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں کہ یہ ہے نظام محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام -

مشترکہ دفاع کی پیشکش

پھر آمرِ مطلق ایوب خان کی طرف سے نہرو کے سامنے جائنٹ ڈیفنس سکیم پیش کرنا اور نہرو کا اس سکیم کو رد کر دینا ایک معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟- اس جائنٹ ڈیفنس سکیم کے کیا معانی تھے؟ یہی کہ ہم سے نہیں چلتا یہ ملک 'ہمارا دفاع مشترک ہونا چاہئے- آپ کو معلوم ہے کہ ملک کے بجٹ کا سب سے بڑا حصہ دفاع پر خرچ ہوتا ہے- تو اگر مشترک دفاع ہے تو مشترک بجٹ سازی ہوگی- پھر دفاع کا براہ راست تعلق خارجہ پالیسی سے ہے- اگر دفاع مشترک ہو تو کیا خارجہ پالیسی الگ ہو سکتی ہے؟ گویا کہ ہم خود مستعفی ہو رہے تھے 'ہاتھ جوڑ رہے تھے کہ ہم سے یہ آزادی نہیں سنبھالی جاتی- ع "میں باز آیا محبت سے ....." اُس وقت بھی وہی شخص نہرو ہے کہ جس نے اس تجویز کو ٹھوکر لگائی اور یہ کہا "مشترک دفاع- کس کے مقابلے پر؟" اسی لئے اندرا گاندھی نے کہا تھا کہ ہمارے بابا جان تو صوفی تھے انہیں سیاست نہیں آتی تھی- سیاست تو اس لنکا کی جنی کو آتی تھی کہ جس نے اس ملک کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا- اس کے باپ نے تو بالواسطہ دو مرحلوں پر پاکستان کو بچایا ہے۔

تو نے اچھا ہی کیا دوست سہارا نہ دیا
مجھ کو لغزش کی ضرورت تھی سنبھلنے کے لئے!

۱۹۶۵ء میں دشمن کی مرعوبیت

۱۹۶۵ء کی جنگ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ملک کی جو حفاظت ہوئی ہے وہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ بی بی سی کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہے- اس نے نہ صرف سقوطِ لاہور کی خبر نشر کر دی تھی بلکہ اپنے ٹی وی پر اس کا "منظر" بھی دنیا کو دکھا دیا تھا- یعنی سارے دنیوی اندازوں کے مطابق بھارت کی فتح اور پاکستان کی شکست یقینی تھی- لیکن دشمن کی افواج مزاحمت کی کمی کی بنا پر اس اندیشے میں مبتلا ہو کر ٹھٹھک کر رکی رہ گئیں کہ ہمیں کسی خوفناک نرغے میں نہ لیا جا رہا ہو! گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ (الانفال: ۱۲) "میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا" کی عملی تفسیر دنیا کو دکھا دی گئی!

۱۹۷۱ء میں مغربی پاکستان کی حفاظت

۱۹۷۱ء میں ہمیں قیام پاکستان کے اصل مقصد سے انحراف اور اپنی بداعمالیوں کی سزا بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست اور اپنے مشرقی بازو کی علیحدگی کی صورت میں ملی۔ لیکن اس موقع پر بھی مغربی بازو کا بچ جانا اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ ہے۔ اس مرحلے پر بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مشیت کا ظہور ہوا۔ اگر اس موقع پر امریکی صدر نکسن کی روسی صدر کوسیجن سے ہاٹ لائن پر بات چیت نہ ہوتی اور وہ اندرا گاندھی کو جنگ بندی کا حکم نہ دیتا تو میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مغربی پاکستان زیادہ سے زیادہ چھ دن کی مار تھی۔ ہماری افواج دفاع کے قابل ہی نہ رہی تھیں۔ ائیر فورس مفلوج ہو چکی تھی' نیوی تو گویا موجود ہی نہیں رہی تھی۔ دشمن کے حوصلے اتنے بلند تھے کہ وہ کیماڑی میں آ کر مار گئے تھے۔ میدانی محاذوں میں سے دو محاذوں پر بھارت کی پیش قدمی جاری تھی ---- یعنی راجستھان میں بھی اور سیالکوٹ کی جانب سے بھی لے دے کر ایک سلیمانکی سیکٹر تھا جس پر ٹکا خان ایک ٹاسک فورس لیکر بیٹھے ہوئے تھے۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ہندوستان کا مورال (Morale) آسمان پر تھا اور ہمارا پاتال میں۔ ہمارے ایک لاکھ جوان اور آفیسرز ان کی قید میں تھے اور ہمارا ارب ہا ارب ڈالر کا اسلحہ اور دیگر جنگی سازوسامان ان کے قبضے میں آگیا تھا۔ وہ اُس وقت اپنی پوری کی پوری قوت اس مغربی محاذ پر جھونک دیتے تو بڑی آسانی سے اس حصے پر بھی قابض ہو سکتے تھے لیکن یہ صرف اور صرف مشیتِ الٰہی ہے جس کے نتیجے میں یہ خطہ ہندو کی دست برد سے محفوظ رہا۔

قراردادِ مقاصد

اس سلسلے کا چوتھا معجزہ قراردادِ مقاصد کا پاس ہو جانا ہے۔ بیسویں صدی کے وسط میں دس کروڑ افراد پر مشتمل ایک قوم کا اپنی زبان یعنی دستور ساز اسمبلی کی زبان سے کلمۂ طیبہ ادا کرنا واقعتہً ایک معجزہ سے کم نہیں۔ ہماری دستور ساز اسمبلی میں اُس وقت ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے کہا تھا کہ آج ہم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ع۔ کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں! قومی سطح پر لا الٰہ الا اللہ کا اعلان اور خدا کی حاکمیت کا اقرار اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ کی کوئی مشیت اس خطے کے ساتھ وابستہ ہے۔

اُمید کی مزید کرنیں

بندۂ مومن کا معاملہ "بین الخوف والرّجاء" رہنا چاہئے یعنی امید بھی ہو اور خوف بھی ہو- چنانچہ اس اعتبار سے اپنے کرتوت دیکھیں تو خوف ہی خوف ہے' تاریکی ہی تاریکی ہے- لیکن اللہ کی رحیمی اور شان غفوری کو دیکھیں تو امید کی مشعلیں روشن ہو جاتی ہیں- اس کی شان یہ ہے کہ وہ مردہ کو زندہ کرتا ہے- بلفظہٖ ائے الفاظ قرآنی:

﴿ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا... ﴾ (الروم : ۱۹)

"وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے' اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد!"

حضرت عزیر علیہ السلام نے یروشلم کے شہر کو تباہی و بربادی کی ایسی کیفیت میں دیکھا تھا کہ اُس وقت اس کی کوئی دو اینٹیں بھی سلامت نہیں تھیں- ہیکل سلیمانی کی بنیادیں کھود دی گئی تھیں- بارہ لاکھ کی آبادی کے اس شہر میں ایک متنفس بھی نہیں تھا- آپ ذرا تصور تو کیجئے کہ یروشلم اڑھائی ہزار سال پہلے بارہ لاکھ کی آبادی پر مشتمل ایک شہر تھا- بیبی لونیا کے بادشاہ بخت نصر نے چھ لاکھ افراد کو قتل کر دیا اور چھ لاکھ کو قیدی بنا کر ساتھ لے گیا- حضرت عزیرؑ نے جب اس اجڑے ہوئے شہر کو دیکھا تو مایوسی کی کیفیت میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے-

أَنَّىٰ يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا

"اللہ اس بستی کو اتنا برباد ہونے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟"

اللہ تعالیٰ نے خود ان پر ایک سو برس کے لئے ایک عارضی موت طاری کر دی اور اس عرصے میں انقلاب آگیا- سو برس کے بعد حضرت عزیرؑ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ شہر آباد ہے- اس لئے کہ سائرس نے جنہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے بیبی لونیا پر حملہ کیا تھا اور ان یہودیوں کو یروشلم جا کر اپنا شہر دوبارہ آباد کرنے کی اجازت دے دی تھی- چنانچہ شہر آباد ہو گیا- ہیکل دوبارہ تعمیر ہو گیا- اب حضرت عزیرؑ آئے تو انہوں نے تجدیدِ ایمان اور توبہ کی دعوت دینی شروع کی- آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کے نتیجہ میں از سرِ نو ایک حیاتِ تازہ اس قوم کو مل

گئی اور پھر ایک عظیم مکابی سلطنت وجود میں آئی جو کئی سو برس تک قائم رہی۔ تو اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے کہ وہ مردہ قوموں کو بھی حیاتِ نو عطا کر دیتا ہے۔

اسی شہر لاہور میں ملتِ اسلامیہ کا اس صدی کا سب سے بڑا حدی خواں، سب سے بڑا مفکر اسلام اور ترجمان القرآن مدفون ہے۔ عملی اعتبار سے اگرچہ ان میں بہت کمزوریاں تھیں ـــــ اللہ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے ـــــ لیکن فکری اعتبار سے وہ بہت بلند تھے۔ اس دور کے دوسرے جتنے بھی مفکر اور دانش ور ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی اعتبار سے اقبالؔ اور اس کی فکر کے خوشہ چیں ہیں۔ پھر یہی وہ سرزمین ہے جو شہدائے بالاکوٹ کے خون کی امین ہے۔ لہٰذا ان روشن پہلوؤں کو بھی سامنے رکھئے!

پس چہ باید کرد

اب آیئے اس بات کی طرف کہ اس خطہ زمین، اس ملک خداداد کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنانے کے لئے ہمیں کیا کرنا ہے؟ اس کے لئے میں آپ کے سامنے چھ نکات رکھ رہا ہوں۔ اصلاً ایک سہ نکاتی پروگرام ہے جسے عوامی سطح پر متعارف کرانا اور وسیع پیمانے پر پھیلانا ناگزیر ہے ـــــ اور تبعاً اس کے ساتھ موجودہ حالات میں تین تجاویز ہیں۔

عوامی سطح پر کرنے کے تین کام یہ ہیں:

۱۔ جہاد بالقرآن

ہمارے پاس اصل طاقت یہ قرآن حکیم ہے جس کے ذریعے سے ہم اپنے معاشرے کو غلط نظریات اور منکرات و فواحش سے پاک کر سکتے ہیں۔ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

یہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل معجزہ ہے - اور یہ دیگر تمام انبیاء و رسل کو عطا ہونے والے معجزات سے عظیم تر ہے - اس کی تاثیر عصائے موسیٰ سے ہزار گنا بڑھ کر ہے - عصائے موسیٰ تو صرف اُسی وقت کارگر ثابت ہوتا تھا جب وہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں ہوتا تھا' لیکن یہ کتابِ معجز نما تا قیامِ قیامت اپنے کمالات و انوار سے دنیا کو فیض یاب کرتی رہے گی -

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ جب اپنے دَور کے جادوگروں سے ہوا اور جادوگروں کی ڈالی ہوئی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر حرکت میں آگئیں تو بربنائے طبع بشری حضرت موسیٰ کو خوف لاحق ہوا - خیال آیا کہ یہی تو میرا معجزہ تھا - میری لٹھیا سانپ بنتی تھی' وہی انہوں نے کر کے دکھا دیا - اب کیا ہوگا؟ کہا گیا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى - موسیٰ مت ڈرو' یقیناً تم ہی غالب رہو گے! وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا - " اور تو ڈال جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے جو کچھ انہوں نے بنایا ہے " - موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن کر ان سب کو ہڑپ کر گیا - اس پر جادوگر فوری طور پر سجدہ میں گر پڑے اور ایمان لے آئے - آج دورِ جدید کے جادوگروں سے نمٹنے کے لئے ہمارے پاس جو معجزہ موجود ہے اس کے سامنے عصائے موسیٰ کی کیا حیثیت ہے! ع در بغل داری کتاب زندہ - آج اصل ضرورت اس معجزہ سے کام لینے کی ہے - ہمیں اس کے نور سے نہ صرف اپنے قلوب و اذہان کو بلکہ ماحول اور چہار دانگِ عالم کو منور کرنا ہے - یہ بہت بڑا کام ہے اور یہ کام ہمیں ہر سطح پر کرنا ہے ---- (i) اعلیٰ ترین علمی سطح پر (ii) عوامی سطح پر (iii) قومی سطح پر (iv) بین الاقوامی سطح پر -

اعلیٰ ترین علمی سطح پر قرآن حکیم کی حکمت و ہدایت کو پیش کیا جائے تاکہ جدید نظریات کا ابطال ہو' غلط فلسفے ختم ہو کر رہ جائیں' یہ قرآن ہڑپ کر جائے ان تمام غلط نظریوں کے سانپوں کو جو چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں - عوامی سطح پر بھی اس کی ترویج و اشاعت اور تعلیم و تبلیغ ضروری ہے' کیونکہ یہ منبع ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے - پھر اس کی ضرورت قومی سطح پر بھی ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی' کیونکہ ہماری اصل طاقت یہی نظریئے کی طاقت ہے - میں نے گزشتہ دنوں کشمیر کے مسئلے پر ہونے والی بریفنگ میں کہا ہے کہ ہماری اصل طاقتیں دو ہیں جنہیں ہم استعمال نہیں کر رہے ------ (i) ہمارے

پاس نظریئے کی طاقت ہے یعنی ایمان -(ii) اور ہمارے پاس نظام کی طاقت ہے یعنی اسلام- اسلام جیسا عادلانہ نظامِ اجتماعی دنیا میں کسی قوم کے پاس موجود نہیں ہے - لیکن ہم نے اپنی ان طاقتوں کو چھپا کر رکھا ہوا ہے- ہم گنتی کرتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنے ڈویژن فوج ہے اور اُن کے پاس اتنے ڈویژن' ہماری فضائیہ اتنے سکواڈرن پر مشتمل ہے اور ان کی اتنے سکواڈرن پر! اور جو اصل طاقت ہے' اصل عصائے موسوی بلکہ اس سے بھی ہزار گنا بڑی طاقت اس کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں-

اس ضمن میں اللہ کا شکر ہے کہ میری ایک تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" منظرِ عام پر آگئی ہے- اس کا مطالعہ ضرور کر لیجئے- میں نے رجوع الی القرآن کی اس دعوت میں اپنی زندگی کے پچیس برس لگائے ہیں- فالحمد للہ علیٰ ذالک - اور وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے حکم کے تحت کہہ رہا ہوں کہ میں نے اپنی اولاد کو بھی اسی کام میں لگایا ہے- اور بحمد اللہ میرے تین بیٹوں سمیت کم سے کم پچیس ایسے نوجوان تیار ہو چکے ہیں جو قرآن کو اس علمی اور اعلیٰ سطح پر دلیل کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں-

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ میری طرح کے ہزاروں اسرار پیدا کر دے- بہرحال کرنے کا پہلا کام یہی "جہاد بالقرآن" ہے-

۲- نہی عن المنکر بالید

اس ضمن میں کرنے کا دوسرا کام قوت کے ساتھ منکر کا استیصال کرنا ہے' طاقت کے ساتھ بدی کو روکنا اور بدلنا ہے- اس کے لئے ایک جماعت کی تیاری ناگزیر ہے- اس جماعت کے لئے کچھ شرائط و لوازم ہیں-

i) پہلی شرط یہ کہ یہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اپنے اوپر اللہ کے دین کو نافذ کر لیں' اور یہی مشکل کام ہے- ع منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں!

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جسے امام مسلمؒ نے روایت

کیا ہے' میں اپنے خطابات میں بکثرت سنا چکا ہوں- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجھ سے پہلے مبعوث ہونے والے ہر نبی اور رسول کے کچھ نہ کچھ حواری اور صحابہ ہوتے تھے - جو نبی کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق پیروی کرتے تھے - پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آجاتے تھے جو کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے' اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا- پس جو شخص ایسے لوگوں کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے' اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!" چنانچہ ایسے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کا قیام ناگزیر ہے- لیکن ان لوگوں کے لئے پہلے اپنے اوپر اسلام کا نفاذ ضروری ہے - اس کے بغیر وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے -

ii) اس جماعت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں جمع ہونے والے افراد منظم ہوں اور ' سمع وطاعت ' کے اصول پر کاربند ہوں- غیر منظم لوگوں کا ہجوم جو اپنی مرضی کا مالک ہو محض MOB ہوتا ہے' جس سے کوئی خیر وجود میں نہیں آتا- اس سے تخریب ہو سکتی ہے تعمیر نہیں - ضرورت ایک ایسی جماعت کی ہے جو طاقت کے ساتھ برائیوں کا استیصال کرے - تنظیم اسلامی کے عنوان سے ہم یہی کوشش کر رہے ہیں -

اس ضمن میں بھی میں اپنی ایک کتاب "منہج انقلاب نبوی" کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں' جس میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی انقلاب کا نبوی طریق کیا ہے -

۳- قرآن و سنت کی بالادستی کی مہم

تیسرا اہم کام عوامی سطح پر ایک نکاتی مطالبہ اٹھانے کا ہے - اور وہ یہ کہ آئین میں قرآن و سنت کی بالادستی تسلیم کی جائے - اس کے لئے فضا ہموار کرنے کی ضرورت ہے - اس کی خاطر دستخطوں کی مہم چلائی جائے - صرف یہ مطالبہ اٹھایا جائے کہ آئین میں کتاب و سنت کی مطلق بالادستی بغیر کسی استثناء اور تحفظات کے تسلیم کی جائے - اس کے لئے کسی لمبے چوڑے شریعت بل کی ضرورت نہیں' جس کی ایک ایک شق پر جھگڑا ہو -

درحقیقت قرارداد مقاصد کے بعد دوسرا قدم یہی تھا' لیکن لوگ بھٹک گئے اور سیاسی جنگوں میں مصروف ہوگئے - انہوں نے انتخابات کے میدانوں کے اندر اپنی توانائیاں ضائع کر دیں - ضرورت یہ تھی کہ اگلا معاملہ طے کرایا جاتا کہ دستور میں کتاب وسنت کی بالادستی ہو - اگر یہ بات دستور میں طے ہو جائے تو ایک طریق کار جاری ہو جائے گا - کوئی بھی شخص عدالت میں جائے اور وہاں ثابت کر دے کہ یہ شے کتاب وسنت کے خلاف ہے' تو عدالت کے فیصلہ سے وہ کالعدم (Null and Void) ہو جائے گی -

حضور ﷺ کے چچا ابو طالب نے جب سرداران قریش کے وفد سے یہ کہا تھا کہ تم میرے بھتیجے کے درپئے آزار کیوں ہو؟ وہ تم سے صرف ایک بات' ایک کلمہ ہی کا تو مطالبہ کرتا ہے ـــــ تو جواب میں ابو سفیان نے کہا تھا "وہ جو ایک کلمہ ہم سے طلب کر رہا ہے وہ ہمارے سارے معبودوں کو ختم کر دینے والا ہے -" وہی بات میں کہہ رہا ہوں کہ یہ ایک دفعہ ہر خلاف قرآن وسنت قانون کو ختم کر کے رکھ دے گی' اگرچہ عدالتی طریق کار کے مطابق اس میں وقت لگے گا -

کاش کہ اس قوم کے اندر پھر اسی طرح اتفاق واتحاد پیدا ہو جائے جس طرح کہ پہلی مرتبہ دستوری مہم کے موقع پر ہوا تھا - اُس وقت مسلم لیگ کی حکومت تھی اور مسلم لیگ کو اس کی تائید کرنا پڑی - مولانا شبیر احمد عثمانی نے اسمبلی کے اندر دھمکی دی تھی کہ اگر اس کو منظور نہیں کرو گے تو میں باہر جا کر کہہ دوں گا کہ یہ سب دھوکے باز ہیں' مسلم لیگ نے اسلام کے نام پر دھوکہ دیا ہے - لیکن وہ وقت تھا جبکہ جماعت اسلامی ابھی سیاست میں انتخابی حریف کی حیثیت سے نہیں آئی تھی - جب جماعت انتخابات میں حریف بن کر آگئی تو صورت حال مکمل طور پر تبدیل ہوگئی - اب پارٹی پالیٹکس کا معاملہ آگیا -

ہماری سوچ یہ ہے کہ اسی طریق کار کو دوبارہ اختیار کیا جائے - اُسی طرز پر یہ مطالبہ پھر اٹھایا جائے - اور اسے لے کر وہ جماعت اٹھے جو کبھی انتخابات میں نہ آئے - وہی جماعت یہ مطالبہ منظور کروا سکتی ہے کہ اس ملک کے اندر ہر اعتبار سے کتاب وسنت کی بالادستی ہوگی' اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہوگا - ہمارا دین کلی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے - استثناءات اور تحفظات کے ساتھ دین کو ماننا اللہ کی نگاہ میں برملا اور اعلانیہ کفر سے زیادہ ناپسندیدہ ہے -

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ... ﴾

"کیا تم کتاب (اور شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کو نہیں مانتے ؟ تو جو کوئی تم میں سے یہ طرز عمل اختیار کرے گا اس کی اس کے سوا کوئی سزا نہیں سوائے دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی کے ! اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا!"۔

اس لئے اگر ہم دین و شریعت پر عمل در آمد میں استثناءات رکھیں گے تو اس آیت کا مصداق بنیں گے - اعاذنا اللہ من ذالک -

یہ سہ نکاتی پروگرام ہے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے - سب سے پہلا کام جہاد بالقرآن ہے - اپنے نونہالوں کو ' اپنے ذہین ترین بیٹوں کو اس کام کے لئے وقف کیجئے - یہ ہے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ کام - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمه

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے!"

ذرا غور کیجئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کام کو بہترین کہہ رہے ہیں اور ہماری ترجیحات کیا ہیں - یا تو یہ کہئے کہ محمدؐ کی صداقت پر ہمیں اعتماد نہیں ' یا پھر اپنے بہترین بیٹوں کے لئے یہ کیریر اختیار کیجئے - دوسرا کام طاقت کے ساتھ بدی کے استیصال کے لئے ایسے لوگوں کی ایک جماعت جو خود اپنے اوپر دین کو قائم کریں اور سمع و طاعت کے نظم میں منسلک ہوں - اور تیسرا کام عوامی سطح پر دستور میں کتاب و سنت کی بالادستی تسلیم کروانے کا مطالبہ -

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی

مولانا وحید الدین خان کے بعض افکار و نظریات کا علمی محاکمہ

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

(یہ مقالہ ۲۰/اپریل ۹۷ء کو مرکزی انجمن کے تحت منعقدہ "محاضرات قرآنی" میں پڑھا گیا)

اسلامی تاریخ میں شروع دن سے دو طبقات برسرعمل رہے ہیں' ایک طبقہ وہ جو انفرادی اصلاح کے لئے خود کو اور اپنی صلاحیتوں کو وقف کئے رہا اور دوسرا طبقہ اجتماعی اصلاح کو ہدف بنا کر میدان عمل میں مجاہدانہ شان کے ساتھ جما رہا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے لے کر ساعت موجود تک بے شمار رجال دین کی تصویریں پردۂ ذہن پر ابھرتی اور خوشگوار منظر پیش کرتی ہیں۔

یہ دونوں گروہ سراپا خیر ہیں اور خدا کے اجر اور بندوں کی داد کے مستحق ہیں' جس کا ذوق اور میلان جس طرف ہوا پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ اپنے کام میں لگ گیا۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ نام ایسے بھی ہیں جنہیں زینت لب بناتے اور نوک قلم پر لاتے ہوئے اذیت ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں انفرادی اصلاح کا کام ناقص نظر آتا ہے اور اجتماعی و احیائی تحریکات ناجائز دکھائی دیتی ہیں۔ ان کا مرغوب اور لذیذ ترین موضوع رجال امت کے کام کی تردید اور نو بہ نو شطحیات کی تخلیق ہے۔ ان میں ایک قابل ذکر نام محترم مولانا وحید الدین خان کا ہے' جن کے افکار و خیالات اور "مجتہدانہ تصورات و نکات" سے پاکستان کا علمی حلقہ قریب قریب واقف اور شناسا ہے۔

مولانا کی ساری فکر سلبی بنیادوں پر اٹھی ہے اور کسی ردعمل کا شاخسانہ معلوم ہوتی ہے۔ انہیں قدرت نے بیدار دماغ عطا کیا ہے' مختی طبیعت بخشی ہے' ذوق مطالعہ سے نوازا ہے' سحر طراز اسلوب ارزاں کیا ہے' شہد کی مکھی کی طرح ہر چمن خیال سے رس نچوڑنے کا سلیقہ دیا ہے اور حرف و لفظ برتنے کا ہنر ودیعت کیا ہے۔

"علم جدید کا چیلنج" اور "خاتون اسلام" جیسی مثبت اور خیر افروز کتابوں کے مصنف کو

معلوم نہیں کب سے اپنے اوپر یہ گمان گزرا اور الہام اترا کہ وہ ہر اسلامی موضوع پر لکھنے کے الٰہی منصوبے کے پابند' نیا علم الکلام مرتب کرنے کے شرعی طور پر مسئول' اور مجتہد مطلق کے منصب پر فائز ہیں۔ مولانا موصوف کی جملہ تحریروں میں یہ بات جلی انداز میں نظر آتی ہے کہ لوگوں نے اپنے کام اور جدوجہد کے لئے غلط میدان منتخب کر رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ غلطی خود مولانا سے بھی سرزد ہو گئی ہے۔ وہ ہمیشہ تلقین کرتے ہیں کہ جوشیلے مسلمان بغیر تیاری کئے اقدام کے میدان میں اتر پڑے اور نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلا۔ محترم خان صاحب بھی تیاری کے بغیر ایک ایسے میدان میں کود پڑے جو اصلاً ان کا میدان ہے ہی نہیں۔

مولانا کی تمام تحریریں پڑھنے کے بعد ان کا نقطہ نظر یہ معلوم ہوتا ہے۔

اولاً ـــــ اقامت دین بذات خود ایک غیر مطلوب عمل ہے۔

ثانیاً ـــــ اس ضمن میں کی جانے والی تمام اگلی اور پچھلی کوششیں نہ صرف رائیگاں بلکہ قابل مذمت ہیں اور ان سے اسلام کو نقصان پہنچا۔

ثالثاً ـــــ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی متکلم' کسی مجدد' کسی مجتہد' کسی مصنف اور کسی مورخ نے وہ کام سرے سے کیا ہی نہیں جو کرنے کا کام تھا۔

رابعاً ـــــ اسلامی ریاست کا قیام' اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی سیاست کا غلبہ قطعی طور پر خدا اور رسول کا مطالبہ اور اسلام کا تقاضا نہیں۔

خامساً ـــــ اسلام عزیمت کی جگہ رخصت' اقامت کی جگہ دعوت' مزاحمت کی جگہ مفاہمت' مجاہدانہ عمل کی جگہ ذہنی و فکری دنگل کو ترجیح دیتا ہے۔

سادساً ـــــ گزشتہ دو صدیوں میں کام کے صرف دو آدمی نکلے ہیں۔ ایک سرسید احمد خان اور دوسرے مرزا غلام احمد قادیانی' کیونکہ انہوں نے Resentment کی بجائے Adjustment کا نعرہ لگایا۔

سابعاً ـــــ کامیابی کا راز اس امر میں ہے کہ خصوصاً اہل یورپ اسلام کے جس ایڈیشن کے بارے میں مطمئن ہوں وہی ایڈیشن تیار کیا جائے' اس سے دعوت کے تمام راستے کھل جائیں گے اور ساری دنیا اسلام کی طرف لپک پڑے گی۔

ان کے علاوہ کچھ باتیں مزید ہو سکتی ہیں مگر خلاصہ بہرحال یہی بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ ساتوں نکات اسلام کے کسی ہمدرد اور خادم کا ایجنڈا ہو سکتا ہے یا اسلام مخالف قوتوں کا چارٹر؟

دین کا قیام اور غلبہ اگر غیر ضروری قرار پا جائے' چودہ سو سالہ تاریخ علمی و فکری طور پر بانجھ دکھائی دے' واقعہ کربلا سے لے کر معرکہ بالاکوٹ تک ہر کوشش نامحمود اور مردود ثابت کی جائے' اسلامی ریاست کے قیام کی تحریک امر فضول سمجھی جائے' عزیمت پر رخصت اور مقاومت پر ہر حال میں اور ہر شرط پر مصالحت کو اصل الاصول کا درجہ حاصل ہو جائے' خطہ ہند کی دو سو سالہ تاریخ کے ماتھے کا جھومر سرسید اور مرزا قادیانی کو بنا دیا جائے اور کامیابی کا راز اہل یورپ کی ذہنی و تہذیبی غلامی اور ان کی سیاسی حکمت عملی سے موافقت کو بتایا جائے تو یہ ایجنڈا اسلام کے ایک مجدد' ایک مجتہد' ایک مبلغ اور ایک داعی کا ہوا' تو پھر ایک اسلام مخالف شخص کا ایجنڈا اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟

پند و نصائح کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دہکتے الاؤ میں پھینکنے کا فیصلہ کیا اور ایک ہجوم جمع کیا تو ایک ننھی سی چڑیا چونچ میں پانی کا قطرہ بھر کر لاتی اور بھڑکتے الاؤ پر گرا دیتی۔ بعض لوگوں نے اس سے کہا کیوں جان جلاتی ہو' بھلا تمہارے چونچ بھر پانی سے یہ جہنم زار بجھ جائے گا؟ چڑیا نے کہا تم سے زیادہ مجھے اپنی اوقات معلوم ہے' سارا دن بھی چونچ میں پانی بھر کر لاتی رہوں' ایک چلو کے برابر بھی نہیں بنے گا' میری اس حقیر کاوش کا ماحصل صرف یہ ہے کہ وقت اور مورخ یہ بات بہرحال نوٹ کرے گا کہ جب لوگ آگ دہکانے پر تلے ہوئے تھے تو چھٹانک بھر چڑیا آگے بھڑکانے والوں میں نہیں بلکہ بجھانے والوں میں شامل تھی۔

یہ بھی ایک مثبت رول ہوتا ہے اور ہر دور میں ادا ہوتا رہا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص قافلہ سخت جاں کا ہمراہی اور راہ پر خطر کا ساتھی ہو۔ اگر کسی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ سختی کشان عشق کی راہ کی گرد بن سکے تو یہ کہاں ضروری ہے کہ راستے میں کانٹے بچھانے کا فریضہ اپنے ذمے کر لے؟

مولانا کی ایک دل پسند اصطلاح ہے کہ ہر کام کرتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ "نتیجہ رخی" (Result oriented) ہے کہ نہیں؟ یہی بات ان سے پوچھی جا سکتی ہے کہ آپ کی اس ساری کد و کاوش کا ثمر کس کی جھولی میں جا رہا ہے؟ اس تحریک سے فائدہ کن قوتوں کو پہنچ رہا ہے؟ اس اپروچ پر کون سا گروہ داد دے رہا ہے؟ یہ فکری و ذہنی بجلیاں کس کے خرمن پر

گر رہی ہیں؟ یہ پائے استدلال کس طبقے کو سہارا فراہم کر رہا ہے؟ اور ان کی اپنی پوری تاریخ کی نفی کس کی تہذیب کو اثبات دے رہی ہے؟

قیام پاکستان کی تحریک کے حوالے سے مولانا مدنی مرحوم اور مولانا عثمانی مرحوم میں اختلاف فکر و نظر ایک معروف و مشہور بات ہے۔ ایک استفسار پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے کہا تھا کہ فکری اختلاف اور اس کی صحت و عدم صحت اپنی جگہ لیکن میرے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ قیام پاکستان کی مخالفت کا فائدہ کس گروہ کو پہنچ رہا ہے؟ اس پر انہوں نے اکبر الٰہ آبادی کا ایک شعر پڑھا' جو مولانا وحید الدین خان کی جاری تحریک کے لئے بھی موزوں اور حسب حال ہے ؎

گو دعویٰ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا بھی گنہ گار نہیں ہوں

میں اللہ سے اس بات کی لاکھ بار پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے یہ بدگمانی لاحق ہو کہ مولانا اپنے مشن میں غیر مخلص ہیں' انہیں شہرت کی طلب ہے' وہ دنیا کے خواستگار ہیں یا کسی کے اشارے پر وہ سارا کام کر رہے ہیں' لیکن ان کے بقول جو احیائی تحریکیں اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ اس طریقے سے اسلامی ریاستیں قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی اسی طرح مولانا بھی ٹھیک ویسی ہی خوش فہمی میں گرفتار ہیں کہ وہ اسلام کی چودہ صدیوں کی ہر کاوش کی نفی کر کے اکیسویں صدی میں ایک نئے اور دنیا کے لئے قابل قبول اسلام کو پیش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے' وہ مغرب سے کلی مفاہمت کے بعد اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے میں سرخرو ہوں گے' وہ اسلام مخالف قوتوں کی ہر شرط پر صلح کے بعد ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر سکیں گے' اور ان کی فکر کو اگر قابل ذکر پذیرائی مل گئی اور اس فکر کا حامل ایک توانا گروہ تیار ہو گیا اور کسی بھی حکمران کے دل میں ان کے لئے وسوسہ پیدا ہو گیا تو وہ زندگی بھر تصادم سے گریز کی دعوت دینے کے باوجود عملی تصادم سے بچ سکیں گے۔ خوش فہمی اگر دوسروں کو لاحق ہے تو خود مولانا بھی خوش فہمی کے اژدھا کھولے میں ہلکورے لے رہے ہیں۔

مولانا وحید الدین خان نے اپنی دینی فکر اس اصول پر مرتب کی ہے کہ اگر مختلف اقوام

اور مسلمان حکمرانوں سے محاذ آرائی اور سیاسی جدال کے بجائے دعوت کے میدان کو منتخب کر لیا جاتا تو کب کا اسلام غالب ہو چکا ہوتا۔ آج بھی یہی طریق کار اختیار کر لیا جائے تو اسلامی غلبہ سامنے کی بات رہ جاتی ہے۔ اس کے لئے صلح حدیبیہ کو وہ اپنی فکر کا محور قرار دیتے ہیں اور ہر قفل کے لئے شاہ کلید صلح حدیبیہ کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں :

"اس معاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عمل (Islamic Activism) ایک پرامن عمل ہے' اسلامی عمل تشدد کی طاقت پر مبنی نہیں بلکہ عمل کی طاقت پر مبنی ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اگر جنگ اور ٹکراؤ کی حالت قائم ہو جائے تو اسلام کی طاقت امن کا ظہور رک جائے گا' اس لئے اہل ایمان کو ایسا کرنا چاہئے کہ جب دونوں فریقوں میں اس قسم کی صورت حال پیدا ہو جائے تو وہ فریق ثانی کی شرائط کو یک طرفہ طور پر مان کر اس سے صلح کر لیں۔" (فکر اسلامی ص ۷۵)

ظاہر ہے یہ ایک طویل بحث ہے۔ تفصیلی اور تردیدی دلائل سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ ۶ ہجری میں یہ صلح ہوئی اور ہر حال میں ہوئی اور مخالفین کی ہر شرط پر ہوئی تو پھر ٹھیک دو سال بعد ۸ ہجری میں فتح مکہ کس خوشی میں ہوئی؟ اس موقع پر حضور ﷺ نے تصادم کے بجائے صلح کو ترجیح کیوں نہ دی؟ جب کہ فتح مکہ سے پہلے ابو سفیان اہل مکہ کے نمائندے کے طور پر صلح حدیبیہ کی تجدید کے لئے حاضر ہوئے' صحابہ کو سفارشی بنایا اور حدیبیہ کی شرطوں میں نرمی پر آمادگی دکھائی۔ اس کے باوجود حضور ﷺ اس پیش کش کو قبول کرنا تو درکنار موضوع سخن بنانے پر بھی مائل نہ ہوئے۔ آخر اس کا کیا جواز اور جواب ہو سکتا ہے؟

یہی کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر حالات موافق ہوں تو اقدام کیا جائے ورنہ نہیں۔ آخر وہ کون ایسا پاگل ہے جو خود کشی پر آمادہ ہو گا؟ کون سے اسلامی مفکر اور احیائی تحریک کے لیڈر نے کہا ہے کہ کاتو اور لے اڑو۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی حکمران نے "خوئے بد را بہانہ بسیار" کے مطابق خود ہی کسی اسلامی جماعت اور تحریک پر چڑھائی کر دی ہو اور کارکنوں کو زبردستی ایک ناخوشگوار صورت حال میں الجھا دیا گیا ہو۔ فرض کیا کسی لیڈر نے عجلت سے کام لیا ہو تو اس کی اس حکمت عملی پر تنقید کی جائے اور مخلص لوگ کرتے ہیں' لیکن اس کا یہ قطعاً مفہوم نہیں کہ احیائی عمل ہی کو "احمقانہ" اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے "معاندانہ" قرار دے دیا جائے۔

مولانا یہ بھی کہتے ہیں کہ :

"بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانہ میں حکومت میں بہت زیادہ بگاڑ آ گیا تھا۔ اس وقت لاکھوں کی تعداد میں علماء اور صلحاء معاشرہ میں موجود تھے مگر انہوں نے ان حکمرانوں کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ ان کی یہ روش بے عملی نہیں تھی' یہ بے فائدہ عمل سے ہٹ کر باقاعدہ عمل کے میدان میں سرگرم ہونا تھا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس زمانے کے علماء اور اہل دین نے حکومت سے ٹکراؤ کو چھوڑ کر قرآن' حدیث' سیرت' تاریخ اور مختلف علوم و فنون میں محنت شروع کر دی' وہ دعوت و اصلاح کے میدان میں سرگرم ہو گئے' انہوں نے نئی نسلوں کو تعلیم یافتہ بنانے کی جدوجہد میں اپنے آپ کو لگا دیا۔ یہی وہ کوششیں ہیں جو دور اول میں شاندار اسلامی تمدن کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ اس کے برعکس اگر وہ حکمرانوں سے لڑ جاتے تو وہ صرف بربادی کی تاریخ بناتے نہ کہ تعمیر کی تاریخ۔" (فکر اسلامی' ص ۸۱)

یہ طرز استدلال مولانا کو بہت مرغوب ہے جس کا وہ جگہ جگہ مظاہرہ کرتے ہیں' لیکن یہ پورا استدلال خلاف واقعہ اور تاریخی حقائق کے برعکس ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں آبادی کتنی تھی؟ اور اس پر مستزاد یہ کہ لاکھوں کی تعداد میں علماء تھے؟؟

دوسرے یہ کہ اس دور کی تاریخ جن ناموں اور لوگوں سے معتبر اور نیک نام ہے اور جن کی خدمات کا ایک زمانہ معترف اور مداح ہے یہ تو بقول مولانا لڑنے والے اور حکمرانوں سے الجھنے والے تھے' جن ناموں کو تاریخ نے محفوظ تک نہیں رکھا ان کے بارے میں کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے نئی نسل کو تعلیم اور اصلاح یافتہ بنا دیا۔ جس نام کی سب سے زیادہ گونج ہے وہ امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ حکمرانوں سے لڑے۔ جن کی فقہی خدمات کا چار دانگ عالم میں چرچا ہے اور جن کے علم سے آج تک کروڑوں لوگ مستفید ہوئے وہ امام اعظمؒ ہیں' وہ بھی حکمرانوں سے لڑنے والے تھے' تبھی تو جنازہ جیل سے نکلا۔ ایک اور محدث' مدرس حرم اور صاحب موطا امام مالکؒ کی علمی خدمات سے کون ناواقف ہے؟ یہ بھی لڑنے والے تھے' خلیفہ جعفر سے ان کی نہ بن سکی' خلیفہ نے امامؒ کے کوڑے مار مار کر کندھے اتروا دیئے مگر انہیں اپنے شیشے میں نہ اتار سکا۔ ایک بڑا نام امام شافعیؒ کا ہے جو ایک مستقل دبستان فقہ کے بانی ہیں۔ یہ بھی اہل بیت کی سیاسی تحریک کے حامی رہے اور ان پر رفض کا فتویٰ چسپاں کیا

گیا۔ ایک اور مجاہد اعظم امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔ یہ بھی کنج خمولی میں بیٹھنے والے، صلح کار اگ الاپنے والے، ہر حال اور ہر شرط پر مفاہمت کرنے والے، حکمرانوں کو ریلیف دینے والے اور بے ہدف دعوت کا علم اٹھانے والے نہیں ہیں، بلکہ حکمرانوں کے منہ آنے والے، انہیں للکارنے والے اور حدیث، فقہ، تزکیہ اور دعوت کی مسند کو زینت بخشنے کے ساتھ ساتھ زندانوں کو رونق عطا کرنے والے تھے۔ دنیا نے انہیں مسند تدریس پر براجمان بھی دیکھا اور بھرے بازار میں پابجولان بھی! انہوں نے علم کی لڑیاں بھی پروئیں اور ہتھکڑیاں بھی پہنیں۔ یہی حال امام بخاریؒ، امام نسائیؒ، ابن تیمیہؒ اور دوسرے لوگوں کا رہا ہے۔ یہ لوگ اگر فی الواقع مولانا وحید الدین خان کی ترجیح کے مطابق اور ان کی ترغیب میں آکر صرف شطحیات اور علمی نوادرات تک خود کو محدود کر لیتے تو وہ نہ تاریخ کا حوالہ بنتے اور نہ تاریخ کبھی ان کا حوالہ دیتی۔

ہر دور میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو کام کرتے ہیں، ہر آدمی فرنٹ لائن کا آدمی نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے لوگ پوری پوری جامعات، سوسائٹیوں، اکیڈمیوں اور علماء کی کھیپوں پر حاوی اور بھاری ہوتے ہیں۔ مجدد الف ثانیؒ کا تاریخی رول مکتوبات لکھنے سے متعین نہیں ہوا بلکہ اکبر و جہانگیر کے مقابلے میں استقامت دکھانے سے طے ہوا۔ سید احمد بریلوی اپنے ملفوظات اور شاہ اسماعیل دہلویؒ اپنی کتاب "عبقات" کے باعث زندہ نہیں بلکہ بالاکوٹ میں خون بہانے کے سبب ان کی شخصیت افسانے کے درجے پر پہنچی ہے۔ اگر یہ سب کچھ عبث ہے تو ان کے کارناموں میں کس چیز کو رکھا جائے؟ اس دور میں مدرس بھی تھے، مفتی بھی تھے، مصنف بھی تھے، مبلغ بھی تھے اور خود مولانا سے بڑھ کر متکلم بھی تھے، تاریخ نے آخر چند لوگوں کو آج تک سینے سے کیوں لگا رکھا ہے؟ حالانکہ وقت بڑا بے رحم اور تاریخ بڑی بے لاگ ہوتی ہے۔ وقت جو شاہی خانوادوں کو روند کر آگے بڑھ جاتا ہے اور تاریخ جو گرانڈیل تہذیبوں کو نگلنے کا خوفناک تجربہ رکھتی ہے وہی وقت ان شخصیات پر آکر رک کیوں جاتا ہے؟ اور تاریخ انہیں نگلنے کے بجائے ان کی عظمت کے سارے راز اگلنے پر کیوں آمادہ ہو جاتی ہے؟

جو بات مولانا کو سب سے زیادہ ناگوار گزرتی ہے وقت اور تاریخ دونوں اسی جدوجہد کو اپنا اعتبار قرار دیتے ہیں۔

وحید الدین خان صاحب' اپنے لٹریچر میں ایک سے زائد بار اپنے اس احساس اور تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ :

''انڈونیشیا کے عبدلقہار مذکر کو صدر سوئیکارنو ہر قسم کے اصلاحی کام کے مواقع دے رہے تھے مگر وہ دستور اسلامی کے نفاذ کے نام پر لڑ لڑ کر ختم ہو گئے۔ مصر کے سید قطب کو جمال عبدالناصر نے اسلامی تعلیم و ترقی کے کاموں کے لئے حکومتی تعاون کی پیشکش کی مگر وہ اور ان کی پوری جماعت صدر ناصر کی معزولی سے کم کسی چیز پر راضی نہ تھی۔ پاکستان کے سید ابوالاعلیٰ مودودی کو ایوب خان نے دعوتی اور تعمیری کاموں کے لئے ہر قسم کا تعاون دینا چاہا مگر ان کے نزدیک سب سے بڑا کام بے دین حکمرانوں کو اقتدار سے بے دخل کرنا تھا۔''

یہ باتیں انتہائی سادگی پر محمول کی جا سکتی ہیں۔ گویا ان شخصیات کو بڑے کھلے دل' بڑے اخلاص اور پوری آزادی سے کام کی اجازت مل رہی تھی اور وہ اندر ہی اندر چند سالوں میں پورے ملک کا کنٹرول سنبھال سکتے تھے' مگر انہوں نے مواقع ضائع کر دیئے۔ ہمارے خیال میں ہم اور مولانا وحید الدین خان اتنے سادہ لوح ہو سکتے ہیں' حکمران کبھی اتنے سادہ لوح نہیں ہوتے کہ وہ اپنی جڑ کاٹنے کے لئے کلہاڑا کسی کے ہاتھ میں تھما دیں۔ یہ ریشم کے ڈورے امام اعظمؒ پر بھی ڈالے گئے۔ وہ چیف جسٹس بننا تو کجا بغداد کی جامع مسجد کے ستون گننے پر بھی آمادہ نہ ہوئے۔ ایسی پیشکش تو حضور ﷺ کے لئے مکہ میں ابوجہل اور ابولہب کی طرف سے چوبیس گھنٹے موجود تھی کہ آپ ہمارے کام میں کیڑے نہ نکالیں' نماز و طواف پر ہمیں بھی اعتراض نہیں۔ اور پھر جس صبر و اعراض کو مولانا ہر مسئلے کا حل بتاتے ہیں اور دعوت کو ہر حملے سے بچاؤ کی ڈھال قرار دیتے ہیں' عہد مکی میں حضور ﷺ نے جس صبر و اعراض کی مثال قائم فرمائی اب کوئی کیا ویسی مثال پیش کر پائے گا؟ مولانا کی تشریح کے مطابق تو حضور ﷺ کے لئے مکے میں امکانات کی ایک وسیع دنیا منتظر ہونی چاہئے تھے اور چند ہی برس میں مکہ اور جوار مکہ کو پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں آ گرنا چاہئے تھا' لیکن جوں جوں دن گزرے پیغمبرؐ اور اصحاب پیغمبرؓ کے لئے سانس لینا دشوار ہو گیا۔ کبھی پتھروں سے پالا پڑا' کبھی اوجھ سے سابقہ پیش آیا' کبھی کانٹوں نے استقبال کیا' کبھی سوقیانہ فقروں نے سماعت کو مجروح کیا' کبھی گھٹیا الزاموں نے دل مکدر کیا' حتیٰ کہ ساڑھے تین سال ایک ایسی گھاٹی میں

گزارنے پڑے کہ اس کا تصور روح کو لرزا دیتا ہے۔ مکے میں حضور ﷺ نے کوئی ایسی تقریر نہیں کی تھی جو مولانا کے خیال کے مطابق اشتعال انگیز ہو' کوئی جہادی تحریک بھی نہیں اٹھائی تھی' کوئی سیاسی چیلنج بھی نہیں دیا تھا اور مکے کے حکمرانوں سے نزاع شروع نہیں کی' پھر مولانا کے فلسفے کے برعکس وہ کچھ کیوں پیش آیا جو نہیں آنا چاہئے تھا' حتیٰ کہ حکم ہجرت ہوا اور دکھ کی گھڑیاں سمٹیں اور کرب کے سائے ڈھلے۔

مقتدر طبقات کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہوتا جتنا کہ سمجھا جاتا ہے۔ ارباب اقتدار اپنی کرسی کے لئے باپ کو قلعے میں نظربند کرنے سے نہیں چوکتے' بھائی کو قتل کرانے سے دریغ نہیں کرتے' قریب ترین دوستوں کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھیرنے سے نہیں ہچکچاتے' آخر وہ کیسے اپنے اقتدار کی قیمت پر کسی سید قطبؒ' کسی مودودیؒ اور کسی افغانیؒ کو پوری آزادی کے ساتھ کام کی اجازت دے سکتے ہیں؟ ان کے نزدیک ایسے لوگوں کی خدمات مستعار لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں سند جواز ملے' لوگوں کی واہ واہ ملے اور راستے کا روڑا ہٹے۔ مرحوم ضیاء الحق نے فیڈرل شریعت کورٹ بنائی اور ساتھ ہی آئین' مالیاتی امور اور عائلی قوانین کو اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نکال دیا۔ باقی شریعت آخر جنرل صاحب کا کیا بگاڑ سکتی تھی' اس کے نفاذ کی انہوں نے اجازت دے دی' پھر اس کا ثمر سب نے چکھ لیا۔ کچھ ایسی ہی نیت اور ایسے ہی خلوص کے ساتھ سویکارنو اور ناصر پیشکش کرتے ہوں گے۔ اگر دعوت دین اور تعلیمات اسلام کے فروغ کی نوعیت کچھ ایسی ہو کہ نہ مقتدر طبقات پر کوئی حرف آئے' نہ متکبرین کو خطرہ لاحق ہو' نہ مترفین کے عیش میں کھنڈت پڑے' نہ حکومتی مشینری پر قدغن لگے' نہ رائج الوقت قوانین کی جبین نازک پر شکن ابھرے اور نہ کسی ظالم کی تکسیر پھوٹے تو' تکلف برطرف' یہ سندھی بریانی اور دہلوی نہاری کی دعوت تو ہو سکتی ہے دعوت دین قطعاً نہیں۔

مولانا اپنے استدلال کے بہاؤ میں اکثر یہ بھی فرما جاتے ہیں کہ :

"جاپان کے لیڈر ہیروہیٹو نے ۱۹۴۵ء میں امریکہ کے مقابلہ میں شکست کے بعد تشدد کا طریقہ مکمل طور پر چھوڑ دیا..... مہاتما گاندھی نے ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو عدم تشدد کی بنیاد پر چلانا شروع کیا یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد

ہو گیا۔ ساؤتھ افریقہ کے بلیک لیڈر نیلسن منڈیلا نے گاندھیائی طریقہ کو اپناتے ہوئے اپنے ملک کو سفید فام اقلیت کے غلبے سے رہائی دلانے کی کوشش کی' ان کی کوشش بھی پرامن دائرے میں چلتی ہوئی ۱۹۹۳ء میں سیاہ فام اکثریت کی آزادی تک پہنچ گئی۔" (فکر اسلامی' ص ۹۱)

مقطع میں پھر سخن گسترانہ بات آ گئی۔ یہ ملک تو عدم تشدد کی تحریک کے نتیجے میں آزاد ہوئے اور عدم تشدد کا یہ بہت بڑا نتیجہ اور ثمر ہے مگران تحریکوں کی کامیابی کو کیا نام دیا جائے جو بہت بڑے تصادم کے ساتھ برپا ہوئیں اور بامراد ٹھہریں۔ سوڈان نے لڑ کر آزادی حاصل کی' الجزائر نے دنیا کا سب سے بڑا قبرستان بسا کر فرانس سے چھٹکارا پایا' لیبیا کے صحرا خون سے لالہ زار ہو گئے اور وہ بھی آزاد ہو گیا' انڈونیشیا کی تحریک آزادی کا فیصلہ میز پر نہیں میدان میں ہوا' وغیرہ۔ اگر عدم تشدد کامیابی کی واحد کلید اور آزادی کی حتمی ضمانت ہے تو پھر یہ ممالک کیسے آزاد ہو گئے؟

اور پھر اس کا کوئی بھی واقعاتی ثبوت سامنے نہیں آتا کہ ہندوستان اور جنوبی افریقہ عدم تشدد کی تحریک کے باعث آزاد ہوئے یا مولانا کی انتہائی ناپسندیدہ انقلابی سرگرمیوں کے سبب ان ملکوں کو آزادی ملی۔ کیا ہندوستان کی آزادی کا واحد عامل گاندھی کا عدم تشدد تھا یا ۱۸۵۷ء سے شروع کی گئی تحریک آزادی کا تسلسل؟ کیا دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کی اقتصادی تباہی نے تو آزادی ہند کی راہ ہموار نہیں کی؟

مولانا آزادی کے اس واقعے سے ایک طرح کا استنباط کرتے ہیں اور دوسرے لوگ دوسری طرح کا استنباط۔ آخر مولانا کا نقطہ نظر واقعات کی کس میزان میں صحیح بیٹھتا ہے؟

ہمارے نزدیک ہندوستان کی آزادی میں جزائر انڈیمان میں دم توڑنے والے علماء کا نفس گرم' احمد اللہ شاہ مدراسی" کی مظلومانہ موت' کفایت اللہ کافی" کے جسم پر گرم استری کے چھالے' شیخ الہند" کی اسارت مالٹا' محمد علی جوہر" کی مضطرب شخصیت' مولانا حسرت موہانی" کی چکی کی مشقت' مولانا سندھی" کی دربدری اور خاک بسری اور دوسرے ہندو اور مسلم زعماء کی فداکارانہ مساعی کا دخل ہے۔ گاندھی کے عدم تشدد کی رائی کو پربت بنا دینا' یہ بذات خود غیر عقلی اور غیر واقعاتی استدلال ہے' جبکہ مولانا سب سے زیادہ زور عقلی استدلال اور واقعاتی شہادتوں پر دیتے ہیں۔ اسی طرح جنوبی افریقہ ۹۱ء سے ۹۳ء کی دو سالہ منڈیلا کی صلح جویانہ پالیسی کے باعث آزاد نہیں ہوا بلکہ اس کی ستائیس سالہ قید اور سلاخوں کے پیچھے پوری جوانی

کھپا دینے کے عمل نے تحریک آزادی کو اس موڑ پر پہنچا دیا کہ سفید فام حکومت ناک رگڑنے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئی اور نیلسن کے رہا ہوتے ہی دو سال کی معمولی جست میں افریقہ آزاد ہو گیا۔

بالفرض مولانا کے طرز استدلال اور اخذ نتائج سے اتفاق کر بھی لیا جائے تو بھی وہ تصویر نہیں بنتی جو مولانا پینٹ کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گاندھی کی تحریک 'عدم تشدد کی تحریک تھی کہاں؟ صرف عنوان ہی۔۔۔ عدم تشدد ہے ورنہ خود گاندھی جیلوں میں رہے' ہندو فائٹرز نے انگریزی حکومت کو مسلسل ٹف ٹائم دیئے رکھا' بم بلاسٹ ہوئے' مظاہرے ہوئے۔ یہ ایک بھرپور مزاحمتی تحریک تھی۔ بدیشی مال کا بائیکاٹ' حکومتی مشینری کو مفلوج کرنے کا لائحہ عمل اور ترک موالات کی تحریک یہ سب مزاحمتی رویہ تھا۔

دوسرے یہ کہ اس باب میں قائداعظم اور مسلم لیگ کی تحریک صحیح معنوں میں عدم تشدد پر مبنی تھی۔ ٹھیٹھ جمہوری اصولوں پر مسلم تشخص اور آزاد ریاست کا مطالبہ' انتخابات پر اصرار' مذاکرات کا بار بار انعقاد' فائل ورک اور دو قومی نظریہ تسلیم کرنے کے لئے منطقی اور علمی اسلوب' یہ سب کچھ تو قائداعظم کے حصے میں جاتا ہے اور پھر قائداعظم سمیت مسلم لیگ کا کوئی چوٹی کا لیڈر کسی مقدمے میں مطلوب نہ ہوا' جیل یاترا نہیں کی' کسی مظاہرے پر گرفتاری عمل میں نہیں آئی اور ۱۹۴۶ء میں ووٹنگ یعنی لفظی و معنوی جمہوری عمل کے ذریعے پاکستان وجود میں آیا اور بھارت آزاد ہوا۔ لیکن مولانا کی فہرست میں کہیں قائداعظم اور مسلم لیگ کا نام لکھا ہوا نہیں ملتا۔ اور ان کے پورے لٹریچر میں گاندھی اور اس کا عدم تشدد کا فلسفہ تو جلی عنوان کے طور پر موجود ہے مگر قائداعظم اور مسلم لیگ دونوں مولانا کے مقالے کے کسی ذیلی حاشیے (Foot Note) میں درج ہونے کے لائق بھی نظر نہیں آتے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ قائداعظم مولانا موصوف کے مزعومہ فلسفہ عدم تشدد کے حامی یا علمبردار تھے بلکہ مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مولانا کے قائم کردہ معیار کے مطابق گاندھی کی نہیں بلکہ قائداعظم کی شخصیت سامنے آتی ہے لیکن مولانا کہیں بھی تحریک قیام پاکستان کو التفات کی نظر سے نہیں نوازتے اور نہ مسلم لیگ اور اس کے قائد کو معمولی سا کریڈٹ دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

مولانا اپنے مقدمے کی وکالت میں بعض اوقات واقعات کو بھی بطور دلیل لے آتے ہیں

جس سے نفس مقدمہ تو مشکوک ہوتا ہی ہے خود مولانا کا علمی مرتبہ اور تحقیقی پایہ بھی مجروح ہو جاتا ہے۔ مولانا کے ہاں چونکہ اسلام میں قیام حکومت نہ صرف مطلوب امر نہیں بلکہ انتہائی معیوب حرکت اور معتوب فکر ہے' چنانچہ کوئی کمزور اور انتہائی بودی مثال کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جس طرح ڈوبتا شخص تنکے کو بھی سب سے بڑا سہارا سمجھ لیتا ہے۔ مولانا اپنی مشہور کتاب "فکر اسلامی" کے صفحہ ۱۸۷ پر رقمطراز ہیں۔

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مکی دور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز قریش مکہ کے اکابر کعبہ کے پاس جمع ہوئے' انہوں نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ اپنا ایک شخص بھیج کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بلاؤ تاکہ ان سے بات کر کے معاملات طے کئے جا سکیں۔ پیغام پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آئے۔ گفتگو شروع ہوئی تو قریش کے نمائندہ نے کہا: آپ ہماری قوم کے لئے مصیبت بن گئے ہیں' آپ نے ہمارے آباء و اجداد کو گالی دی' ہمارے دین پر عیب لگایا' ہماری عقلوں کو بیوقوف بنایا اور ہمارے اصنام کو گالیاں دیں' آپ شتم' تسبیب اور تسفیہ کا یہ کام چھوڑ دیں' اس کے عوض آپ جو کچھ چاہیں وہ سب ہم آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں' حتیٰ کہ اگر آپ بادشاہت چاہتے ہوں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا۔ اور بدستور اپنے تبلیغی کام میں لگے رہے جبکہ معلوم ہے کہ بعد کو مدینہ جا کر آپ نے وہاں اسلام کی حکومت قائم کی..... اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت اس طرح قائم نہیں ہوتی کہ ایک اسلامی شخصیت کسی نہ کسی طرح حکومت کی کرسی پر بیٹھ جائے۔ حکومت کے قیام کا نہایت گہرا تعلق خارجی حالات سے ہے۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے وہ معاشرہ درکار ہے جہاں لوگوں کے اندر اسلام کے حق میں آمادگی پیدا ہو چکی ہو۔"

مولانا نے اس واقعے سے جو استدلال قائم کیا اور نتیجے کا استنباط کیا ہے اسے ہماری طفلکی کہہ لیجئے' کم عقلی سمجھ لیجئے' ہمارے دماغ کی جھلی موٹی قرار دے لیجئے' کچھ بھی کہنے کو ہماری طرف سے اجازت ہے' یہ استدلال انتہائی غلط اور کمزور ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ قریش مکہ آپ کو ذاتی طور پر اپنا سردار بنانے کی پیشکش کر رہے تھے یا اسلامی حکومت کا سربراہ بنانے کی؟ اگر تو یہ ذاتی نوعیت کے اقتدار کی بات ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو کجا ایسی حکومت سنبھالنے کے لئے نہ تو امام اعظمؒ آمادہ ہوئے' نہ سید قطبؒ اور نہ مولانا مودودیؒ' حکومت

سنبھالنا تو کجا وزارت و مشاورت پر کبھی تیار نہیں ہوئے اور مولانا موصوف ان لوگوں کے اس طرز عمل پر ایک سے زائد بار تعریض اور نکیر کر چکے ہیں۔ یہی تو ٹیسٹ ہے کہ ایک شخص اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کر رہا ہے' اسے اقتدار کی پیشکش ہوتی ہے' اگر تو وہ ذاتی اقتدار کا طالب ہے تو فوراً حکومت کا حصہ بن جائے گا ورنہ اس آفر کو بلا توقف ٹھکرا دے گا' اور یہی کچھ رسول اکرم ﷺ نے کیا' اور آپؐ کا یہ طرز عمل کفار کے ان تمام الزامات کا واضح اور دوٹوک جواب تھا کہ کفار دنیا بھر کو یہی باور کرانے میں لگے ہوئے تھے کہ محمد (ﷺ) دراصل جاہ و اقتدار کا طالب ہے' نبوت اور رسالت سے محض چلمن کا کام لے رہا ہے۔ (معاذ اللہ)

حضور ﷺ نے اس پیشکش کو ٹھکرا کر واضح فرمایا کہ اسلامی تحریک شخصی اقتدار کی خواہاں نہیں بلکہ ایک مشن کی تکمیل چاہتی ہے خواہ اس کے لئے عمر بھر جاں گسل جدوجہد کرنی پڑے۔ آخری ہدف (ultimate Goal) ریاست کا قیام ہے لیکن اسلامی دستور' احکام الٰہی اور شریعت کی بالادستی یقینی بنائے بغیر اقتدار مل رہا ہو تو اسے خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔

مولانا ایک طرف ان لوگوں کو "احمق" قرار دیتے ہیں جنہیں صدر ناصر' صدر سوئیکارنو اور صدر ایوب نے حکومتی منصب دینے کی پیشکش کی اور انہوں نے جوش جہاد میں ٹھکرا دی اور دوسری طرف وہ حضور ﷺ کے اقتدار کو ٹھکرانے کے عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ حکومتی پیشکشوں کو ٹھکرانے والوں نے تو سنت نبوی ﷺ کی پیروی کی' کہ مکمل اقتدار کی جگہ مشروط اور زیردست سیاسی و حکومتی منصب ذاتی اقتدار تو کہلا سکتا ہے الٰہی مشن کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ تیاری اور ماحول کی سازگاری کے بغیر کون سا اسلامی مفکر ہے جس نے اقتدار سنبھالنے کی بات کی ہو۔ یہ تو عقل عام کی بات ہے اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ البتہ تیاری اور ماحول کی سازگاری کا مفہوم ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتا ہے اور اس کے تعین میں اجتہادی خطا ہو سکتی ہے' لیکن اصولی طور پر یہ بات بہرحال سو فیصد درست ہے۔ ممکن ہے احیائی تحریکوں کے رہنما اپنی بصیرت کے مطابق سیاسی جدوجہد اور معروف سیاسی مہم کو بھی تیاری اور ماحول کی سازگاری کا ایک ذریعہ سمجھتے ہوں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بعد میں مدینہ جا کر ریاست تشکیل دی' اس لئے

کہ مدینہ میں اہل ایمان کی اکثریت تھی' جبکہ مکہ اس وقت "شہر کفر" تھا۔ آج کون سی اسلامی تحریک اور احیائی قیادت یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ اس نے امریکہ کو ہر صورت اسلامی ریاست بنانا ہے' برطانیہ میں اسلامی شریعت کو نافذ کرنا ہے یا فرانس میں دستور اسلامی کی جدوجہد برپا کرنی ہے۔ یہ ساری جدوجہد اسلامی ممالک میں ہو رہی ہے' مصر ہو' سوڈان ہو' الجزائر ہو' ترکی ہو یا پاکستان! جہاں عظیم اکثریت اہل اسلام کی ہے۔ اگر مسلم ممالک بھی اسلامی نظام کے لئے سازگار پلیٹ فارم نہیں' تو کیا اسلامی ریاست کے قیام کی مساعی صحراؤں' پہاڑوں اور سمندروں میں ہونی چاہئے؟ چونکہ مسلم حکمران' مراعات یافتہ طبقہ' عالمی طاقتوں سے تحفظ کی ضمانت حاصل کرنے والا گروہ نہیں چاہتا کہ ان کا ملک ایک ایسے دستور اور نظام کے تابع آ جائے جہاں قانون ہر ایک کے لئے برابر سمجھا جائے' وسائل رزق ہر ایک کے لئے کھلے ہوں' حکومت کسی کی ذاتی وجاہت کے اظہار کے بجائے خدائی امانت قرار پائے' اس لئے یہ طبقات پورے ماحول کو اپنے مالیاتی' تشریاتی اور ریاستی ذرائع کے بل پر ناسازگار بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے سطح پر وہ ابھار' وہ جوش' وہ امنگ اور وہ ولولہ نظر نہیں آتا جو اسلامی نظام کے قیام کے لئے ہونا چاہئے۔ یہ احیائی تحریکیں درحقیقت اس رکاوٹ اور دباؤ کو ہٹانے کی ایک حکمت عملی ہیں۔ مولانا اس طرز عمل سے اختلاف کریں' اس پر کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں' لیکن اسلامی ایجنڈے میں سے اسلامی ریاست کے قیام کو خارج کرنا یا اس کی جدوجہد کو امر فضول اور سعی لاحاصل قرار دینا ایک ایسی لغزش ہے جس سے ایک فرد ہی نہیں پھسلتا بلکہ پوری قوم کا زاویہ فکر ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔

مولانا کے آئینہ خانہ علم و تحقیق میں سب سے خوبصورت عکس سر سید احمد خان کا آویزاں ہے اور وہ انہیں مسلمانوں کا بہت بڑا محسن' کامیاب رہنما' دور اندیش مفکر اور عملیت پسند انسان قرار دیتے ہیں' اور مولانا اپنے ممدوح کی طرح خود بھی ہر حال میں اور فریق مخالف کی ہر شرط پر مفاہمت کے قائل ہی نہیں علمبردار ہیں' تو سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر آپ فریق مخالف کا ہر ٹائٹل ماتھے پر سجالیں' ہر نقش دل و دماغ پر ثبت کر لیں' ہر تمغہ سینے پر آویزاں کر لیں اور ہر غازہ چہرے پر مل لیں اور پھر کہیں کہ اب ہم کامیاب و کامران اور سرخرو ہیں تو یہ کامیابی اور سرخروئی آپ کی کیسے ہو گئی؟ یہ کامرانی تو آپ کے فریق مخالف کی

ہوئی کہ رات آپ کی ہوئی اور بات اس کی چلی' دماغ آپ کا ہوا سوچ اس کی فروغ پذیر ہوئی' نوک زبان آپ کی ہوئی عنوان سخن اس کا مقبول ہوا' خم آپ کا ہوا مے اس کی ہوئی اور نغمہ آپ کا ہوا لے اس کی ابھری۔ یہ آخر کامیابی کی کون سی قسم ہے؟ یہ تو ویسی بات ہے کہ مرغ باد نما یہ کہے کہ میرا موڈ دیکھ کر ہوا اپنا رخ بناتی ہے۔ سرسید مرحوم اپنے سفرنامے "مسافران لندن" میں فرماتے ہیں :

"میں بلامبالغہ سچے دل سے کہتا ہوں کہ تمام ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک' امیر سے لے کر غریب تک' سوداگر سے لے کر اہل حرفہ تک' عالم فاضل سے لے کر جاہل تک' انگریزوں کے تعلیم و تربیت اور شائستگی کے مقابلے میں درحقیقت ایسی ہی نسبت ہے جیسے نہایت لائق اور خوبصورت آدمی کے مقابلے میں نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو' پس تم کسی جانور کو لائق تعظیم یا قابل ادب سمجھتے ہو؟"

مذکورہ اقتباس اگر سید صاحب کی دانائی واضح کر رہا ہے تو ذہنی غلامی کے لئے کیسا اقتباس ڈھونڈنا چاہئے؟ اگر یہ حکمت ہے تو اپنی ذات سے انتہائی نفرت کیا ہو سکتی ہے؟

سرسید کو لندن جانے کا موقع ملا تو ان کے حواس جواب دے گئے کہ یہ گورا رنگ؟ اللہ اکبر! یہ ننگی پنڈلیاں' کیا کہنے؟ یہ کتوں کو بچوں کی طرح سینے سے چمٹائے رکھنا کیا خوب فیشن ہے؟

علامہ اقبال بھی تو لندن گئے ہی نہیں وہاں رہے ہیں۔ جرمنی میں ایک مدت استفادۂ علم کیا ہے۔ انہوں نے یورپ کو' اس کی تہذیب کو' اس کے مزاج کو دیکھا' بھالا' پرکھا' جانچا' کھنگالا' مگر اس کے باوجود اپنے حواس قابو میں رکھے اور تحدی کے انداز میں گویا ہوئے ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

سرسید ہوں یا مولانا وحید الدین خان دونوں فرنگ کے شیشہ گروں کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتے ہیں اور فرنگیوں کا احسان اٹھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سفال ہند سے کبھی مینا و جام پیدا کرنے کی امنگ ان کے دل میں انگڑائی نہیں لیتی۔ فرنگیوں کا فسوں ایک حقیقت سہی مگر خود کو اس قدر زار و زبوں بنا لینا کہ چنگا بھلا آدمی موم کی گڑیا بن جائے یہ کہاں کی دانشمندانہ حکمت عملی ہے؟ مولانا یورپ سے مفاہمت کے بے پناہ بلکہ اچھلتے ہوئے جذبے سے اس قدر

مغلوب ہو جاتے ہیں کہ وہ کمرشل انٹرسٹ کو سود سمجھنے سے انکار کر دیتے ہیں' سلمان رشدی کی ہفوات کو آزادی فکر کا عنوان دے دیتے ہیں اور مغرب کے ذہنی پیمانوں کو حق و باطل کی میزان قرار دینے پر آ جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے بعد اگر کوئی خوشحالی آتی ہے تو اس مانگی ہوئی جنت سے ہمیں دوزخ کا عذاب گوارا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ قومی ترقی ہوگی۔ اسلامی اصول و عقائد کی تنزلی کی قیمت پر قومی ترقی ایک سیکولر انداز فکر تو ہو سکتا ہے اسے اسلامی دعوت اور اس کے فروغ کا نام دینا بہت بڑی جسارت ہے۔

ہمارے ناقص خیال میں مولانا وحید الدین خان یکطرفہ سوچتے اور یک رخا لکھتے ہیں۔ مولانا کے لئے کرنے کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی بے پناہ محنت' ذوق تجسس' کثرت مطالعہ' دل سوزی و دردمندی اور عالم اسلام میں جاری احیائی تحریکوں کے بعض ناقص پہلوؤں اور عاجلانہ حکمت عملیوں پر مثبت تنقید کی اپنی صلاحیت کو بروئے کار لا کر انفرادی تزکیہ اور اجتماعی اصلاح کے کاموں میں امتزاج' ہم آہنگی اور توافق پیدا کرنے کی سعی کرتے۔ جو عیب انہیں دوسروں میں نظر آتا ہے کہ انفرادی تزکیے والے داخلی تجربوں میں گم ہو گئے اور اجتماعی اصلاح والے سیاسی ہنگاموں میں کھب گئے وہی یک رخے پن کا عیب مولانا کی فکر میں پیدا ہو گیا اور ایک تیسرا انتہائی زاویہ سامنے آ گیا' حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ دعوت کی دین میں بہت بڑی اہمیت ہے اور کوئی اس کا منکر نہیں' تیاری کا ہر کوئی قائل ہے' صلح کسی کو بری نہیں لگتی' صبر و اعراض کوئی معمولی وصف نہیں پیغمبرانہ وصف ہے۔ اسی طرح خیر اگر فرد کے لئے باعث برکت ہے تو یقیناً معاشرے کے لئے اس خیر کے اثرات کی کئی گنا زیادہ موجب برکت ثابت ہوتے ہیں۔ اس خیر کے غلبے کے لئے اجتماعی جدوجہد اسلامی فریضہ اور ناگزیر تقاضا ہے' اس فریضے کی ادائیگی کے لئے مزاحمت ایک لازمی امر ہے' اور اس مزاحمت کا ایک اہم فریق بہرحال حکمران ٹولہ ہے۔ جس طرح حکمرانوں نے شر کے فروغ کے لئے معاشرے کی ذہنی' ثقافتی اور اخلاقی توڑ پھوڑ کی تب شر کو غالب کرنے میں کامیاب ہوئے اسی طرح خیر کے غلبے کے لئے بھی شکست و ریخت کا عمل لازمی ہے' تب خیر غالب آئے گی۔ دار ارقم سے لے کر شعب ابی طالب' غار ثور سے لے کر مدینے کی طرف ہجرت' بدر کے میدان سے لے کر احد کے پہاڑ' حدیبیہ کے صلح نامہ سے لے کر خندق کی کھدائی اور پھر فتح مکہ کے تاریخ ساز واقعہ تک یہ سارے مرحلے غلبہ خیر کی جدوجہد کے سنگ ہائے میل ہیں۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا

(باقی صفحہ ۷۲ پر)

اُمّتِ مسلمہ کی عمر(۶)
اور
مستقبل قریب میں مہدی کے ظہور کا امکان

امین محمد جمال الدین
شعبہ دعوت وثقافت' دعوت اسلامی کالج' جامعہ الازہر

کی معرکۃ الآراء کتاب "عمر امۃ الاسلام وقرب ظہور المہدی" کا

پانچواں باب

مترجم : پروفیسر خورشید عالم' قرآن کالج لاہور

فصل پنجم

فتنۂ دجّال اور اس سے نجات کا راستہ

ا۔ دجّال کا فتنہ

دجال آخری زمانے کا فتنہ ہے اور فتنہ بھی بہت بڑا اور بہت سخت۔ اس کی سختی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد جن چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے ان میں یہ بھی شامل ہے۔ بعض علماءِ سلف تو' جو اصحابِ ظاہر میں سے ہیں' اس دعا کو واجب کا درجہ دیتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : تشہد میں چار باتوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے اور کہنا چاہئے : "اے اللہ میں جہنّم کے عذاب سے' قبر کے عذاب سے' زندگی اور موت کی آزمائش سے اور مسیح دجّال کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔ {۳۲}

بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تک بتلایا ہے کہ اللہ کا ہر نبی اپنی قوم کو دجال سے آگاہ کیا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "....میں تمہیں اس

سے ڈرا رہا ہوں اور اس سے تو ہر نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا ہے۔ بے شک نوحؑ نے بھی اپنی قوم کو اس سے آگاہ کیا۔ لیکن میں اس کی بابت ایک ایسی بات بتاؤں گا جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی' یہ کہ وہ کانا ہو گا اور اللہ تو یک چشم نہیں ہے"۔ {۳۳}

امام مسلم نے نواس بن سمعان سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح دجال کا ذکر کیا۔ کبھی اس کو پست کیا یعنی بتایا کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں اور کبھی اسے بلند کیا۔ یعنی یہ بتایا کہ اس کا معاملہ بڑا اہم ہے۔ یہاں تک کہ ہمیں گمان گزرا کہ وہ یہیں کہیں کھجوروں کے جھرمٹ میں چھپا ہوا ہے {۳۴}۔

مجھے تو تعجب ہے ان لوگوں پر جو اس بات کو نرال سمجھتے ہیں اور اپنے تئیں سمجھتے ہیں کہ دجال کے اور ان کے درمیان ایک لمبی مدت ہے' حالانکہ سب نبیوں نے اپنی قوموں کو اس سے ڈرایا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تذکرہ اس کثرت سے فرماتے تھے کہ صحابہ کو گمان گزرنے لگا کہ وہ یہیں کہیں کسی کھجور کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور اچانک ان کے سامنے حاضر ہو جائے گا۔ دجال کا فتنہ تو شبہات و شہوات کا فتنہ ہے' جبر و قہر کا فتنہ نہیں۔ اس کا شیطانی فتنہ اس شیطان کے فتنے سے ملتا جلتا ہے جو اپنے پیروکاروں اور اپنے پیاروں کو قیامت کے دن وہ بات کہے گا جس کی خبر اللہ نے قرآن میں ان الفاظ میں دی ہے :

> "اور جب (قیامت میں) تمام مقدمات کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا: اللہ تعالیٰ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے اور میں نے بھی کچھ وعدے کئے تھے' سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کئے تھے۔ میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا تھا سو تم نے میرا کہنا مان لیا' تو تم مجھ پر ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ پر ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا مددگار ہو سکتا ہوں اور نہ تم میرے مددگار ہو سکتے ہو۔ میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم اس سے قبل (دنیا میں) مجھے اللہ کا شریک قرار دیتے تھے۔ یقیناً ظالموں کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے"۔ (ابراہیم : ۲۲)

جب ہم شیطانی فتنہ کی ترکیب استعمال کرتے ہیں تو ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کا اثر مومنوں پر اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔ اس کا اثر اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کو بہکا

کر نفسانی خواہشات پر آمادہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس فتنے کا اثر کمزور ہوتا ہے اور یہ قابل اعتناء نہیں ہوتا کیونکہ یہ فتنہ ڈالنے والا اللہ کی نظر میں حقیر و ذلیل ہے۔

اگرچہ ملعون دجال کو وسوسہ ڈالنے والی خارقِ عادات قوت عطا ہوئی ہے لیکن مشرکین اور بے دین لوگوں سے قطع نظر اس کی طرف صرف وہی مسلمان مائل ہوں گے جن کا دل بھی کمزور ہوگا اور ایمان بھی۔ اس کا خروج اس وقت ہوگا جب دنیا میں قحط اور خشک سالی کا دور دورہ ہوگا۔ وہ پہلے تو مصلح ہونے کا دعویٰ کرے گا پھر نبی ہونے کا اور پھر خدا بن بیٹھے گا۔ اُس وقت اس کی آنکھ کو مٹا دیا جائے گا' اس کی پیشانی پر کافر کا لفظ لکھ دیا جائے گا اور ہر ہوشمند اس سے نفرت کرنے لگے گا۔

وہ ملعون نکل کر لوگوں کو روٹی کا پیڑا دکھائے گا۔ اس کے پاس روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کا دریا ہوگا جس کے ذریعے سے وہ مادہ پرست' شہوت پرست دنیا دار لوگوں کو فتنہ میں ڈال دے گا جن کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی آیا وہ حرام کھا رہے ہیں یا حلال۔ یہ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ "زندہ رہنے کے لئے تو ہم شیطان کے ساتھ بھی لین دین کرنے کے لئے تیار ہیں"۔

دجال کے فتنہ کی شدت اور اس کے خروج کے وقت کے مشکل حالات کی خبر دیتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ روئے زمین پر رونما ہونے والے فتنوں میں شدید ترین ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا : آدم کی پیدائش سے لے کر قیامِ قیامت تک کوئی فتنہ دجال سے بڑا نہیں"{۳۵}۔ ایک روایت میں ہے "... کوئی مخلوق دجال سے بڑی نہیں"۔ {۳۶} ایک روایت میں ہے "... کوئی فتنہ دجال کے فتنے سے بڑا نہیں"{۳۷} اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے "لوگ اس کے فتنے کے ڈر سے پہاڑوں کی طرف بھاگ جائیں گے"۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے "لوگ لازمی طور پر دجال سے بھاگ کر پہاڑوں میں چلے جائیں گے"۔ {۳۸}

یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو خاص طور پر متنبہ کیا ہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا کہ وہ دجال کے سامنے کھڑے نہ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا

جو دجال کی خبر سن لے وہ اس سے دور رہے۔ اللہ کی قسم آدمی اسے مومن سمجھ کر اس کے پاس آئے گا اور وہ اس کے پیدا کردہ شبہات میں اس کی پیروی کرے گا{۳۹} مگر وہ آدمی جسے اپنے رب پر بھروسہ ہے اور اللہ کے بارے میں اس کا کامل یقین ہے وہ دجال کا سامنا کر سکتا ہے اسے کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ اس بات کی وضاحت ہم جلد ہی کریں گے۔

چالیس راتوں میں روئے زمین پر دجال کا نزول ہو گا۔ وہ اس قدر تیزی سے چلے گا جیسے کہ وہ بادل جس کو ہوا پیچھے سے دھکیل رہی ہو۔ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے گا۔ اس کے اردگرد شیطان اکٹھے ہو جائیں گے جو گمراہی میں اس کے معاون ہوں گے۔ اس کی شان اس جادوگر کی سی ہو گی جو گمراہی میں پڑتا جاتا ہے اور کفر کا ارتکاب کرتا جاتا ہے تو شیطان اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے جاتے ہیں۔ جوں جوں اس کی گمراہی اور کفر میں اضافہ ہو گا توں توں ان کی اطاعت اور فرمانبرداری بڑھتی جائے گی۔ یہ گمراہی اور کفر بمنزلہ رشوت ہو گا جس سے وہ شیطانوں کو خوش کرے گا اور وہ اس کا کہا مانیں گے۔

دجال کا نزول مکہ اور مدینہ کے سوا زمین کے ہر گوشے پر ہو گا' ان میں اس کا داخلہ ممنوع ہے ان دو شہروں کے ہر دروازے پر فرشتہ ہو گا جس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار سونتی ہوئی ہو گی۔

امام اہل سنت امام احمدؒ نے لجن بن الادرع سے ایک خوبصورت مگر عجیب و غریب روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا "خلاصی کا دن! جانتے ہو خلاصی کا دن کونسا ہے؟" آپؐ نے یہ بات تین مرتبہ کہی۔ آپ سے پوچھا گیا! خلاصی کا دن کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: "دجال آکر احد پر چڑھ جائے گا اور مدینہ کی طرف نگاہ دوڑا کر اپنے ساتھیوں سے کہے گا یہ سفید محل {۴۰} دیکھ رہے ہو' یہ احمدؐ کی مسجد ہے۔ پھر وہ مدینہ کا رخ کرے گا۔ اسے مدینہ کے ہر سوراخ پر ایک فرشتہ ملے گا جو تلوار سونتے ہوئے ہو گا۔ پھر وہ سیلابی نالے کے کنارے بنجر زمین کی طرف آئے گا' وہاں خیمہ زن ہو گا۔ مدینے کو تین جھٹکے لگیں گے جس کی وجہ سے منافق اور فاسق مرد اور عورتیں نکل کر دجال کی طرف آجائیں گی' وہی خلاصی کا دن ہو گا"۔ {۴۱}۔

ہم دجال کے فتنہ اور اس ملعون کی سیرت کے بارے میں ایک جامع حدیث روایت کرنے کے بعد اس بحث کو ختم کردیں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اے لوگو! جب سے اللہ نے آدم کی اولاد کو پیدا کیا ہے کوئی فتنہ دجال کے فتنہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اللہ عزوجل نے جس نبی کو بھیجا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا۔ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ وہ لامحالہ تمہاری طرف خروج کرے گا۔ اگر اس کے خروج کے وقت میں تمہارے درمیان موجود ہوا تو میں ہر مسلمان کی طرف سے اس کے سامنے حجت پیش کروں گا اور اگر اس کا خروج میرے بعد ہوا تو ہر آدمی خود اپنی حجت پیش کرے گا اور میں ہر مسلمان کے لئے اپنے بعد اللہ کو چھوڑ رہا ہوں۔ وہ شام اور عراق کے درمیان ایک شگاف میں سے نکلے گا اور دائیں بائیں فساد بپا کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! اے لوگو! ثابت قدم رہنا' میں تمہارے لئے اس کے ایسے اوصاف بیان کروں گا جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کئے ہوں گے... وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ تم تو اپنے رب کو مرنے کے بعد ہی دیکھ سکو گے۔ وہ کانا ہے مگر تمہارا رب یک چشم نہیں ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لفظ کافر لکھا ہو گا۔ اس کو ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ مومن پڑھ سکے گا۔ دجال کا ایک فتنہ تو یہ ہے کہ اس کے پاس جنت بھی ہو گی اور دوزخ بھی۔ اس کی جنت اصل میں دوزخ ہے اور اس کی دوزخ اصل میں جنت ہے۔ جو اس کی آگ کی آزمائش میں پڑے وہ اللہ کی پناہ مانگے۔ اسے سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھنی چاہئیں۔ اس کا ایک فتنہ یہ ہے کہ وہ بدو سے کہے گا کہ اگر میں تمہارے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تم میرے رب ہونے کی گواہی دو گے؟ وہ کہے گا کہ ہاں۔ پھر شیطان اس کے ماں باپ کی صورت میں اس کے سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ وہ کہیں گے اے میرے بیٹے اس کی پیروی کرو' یہ تمہارا رب ہے۔

ایک فتنہ اس کا یہ ہو گا کہ وہ کسی انسان پر قابو پا کر اس کو قتل کر دے گا' پھر اسے آرے سے دو حصوں میں چیر ڈالے گا' پھر کہے گا میرے اس بندے کی طرف دیکھو میں اسے دوبارہ زندہ کردوں گا' مگر وہ پھر بھی کہے گا کہ میرے سوا اس کا کوئی رب ہے۔ چنانچہ

اللہ اسے دوبارہ زندہ کردے گا اور وہ خبیث اسے کہے گا تمہارا رب کون ہے؟ وہ کہے گا میرا رب تو اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن ہے' تو دجال ہے۔ اللہ کی قسم! تمہارے متعلق مجھے آج کے دن سے بڑھ کر کبھی بھی بصیرت حاصل نہیں تھی۔

یہ بھی اس کا فتنہ ہے کہ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا۔ وہ زمین کو اگانے کا حکم دے گا تو وہ اگانے لگے گی۔

اس کا ایک فتنہ یہ ہے کہ وہ ایک قبیلے کے پاس سے گزرے گا جو اس کی تکذیب کرے گا اور اس کے تمام چرنے والے جانور ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک فتنہ اس کا یہ ہے کہ وہ ایک قبیلے کے پاس سے گزرے گا جو اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو بارش برسانے اور زمین کو نباتات اگانے کا حکم دے گا تو بارش بھی برسے گی اور نباتات بھی اگائے گی' یہاں تک کہ اس کے مویشی اسی دن سے بہت زیادہ موٹے تازے ہونے شروع ہوں گے' ان کے پہلو تن جائیں گے اور ان کے تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔

وہ زمین کی ہر چیز کو روند کر اس پر غالب آئے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے' وہ ان کے جس سوراخ (راستہ) کی طرف آئے گا وہاں اسے فرشتے تلوار سونت کر ملیں گے حتیٰ کہ وہ بنجر زمین کے موڑ پر ایک قسم کی سرخ زمین پر پڑاؤ ڈالے گا۔ مدینہ اپنے باسیوں سمیت تین مرتبہ لرز اٹھے گا' اس میں رہنے والا ہر منافق مرد اور عورت نکل کر اس کی طرف چلے آئیں گے۔ وہ خبیث مدینہ سے اس طرح دور ہٹ جائے گا جیسے دھونکنی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ اس دن کو نجات کا دن کہا جائے گا۔ پوچھا گیا ان دنوں عرب کہاں ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا وہ ان دنوں تھوڑے ہوں گے۔ ایک مرد صالح ان کا امام ہو گا۔ جس دوران ان کا امام آگے بڑھ کر ان کو صبح کی نماز پڑھا رہا ہو گا اسی صبح عیسیٰ بن مریم کا نزول ہو گا۔ وہ امام الٹے پاؤں پیچھے ہٹ جائے گا تاکہ عیسیٰؑ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں۔ عیسیٰؑ اس کے دونوں کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہیں گے : آگے بڑھو اور نماز کراؤ' کیونکہ اقامت تو آپ کے لئے کہی گئی ہے۔ اس لئے نماز بھی امام پڑھائے گا۔ جب وہ (امام) چلا جائے گا تو عیسیٰؑ کہیں گے دروازہ کھول دو۔ وہ دروازہ کھول دیں گے۔ دروازے کے

پیچھے دجال ۷۰ ہزار یہودیوں سمیت موجود ہو گا۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس تیز تلوار ہو گی۔ جب دجال عیسیٰؑ کو دیکھے گا تو وہ یوں پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے اور وہ بھاگ جائے گا۔ عیسیٰ اسے لدّ شرقی (Lydde) کے دروازے پر جالیں گے اور اسے قتل کر دیں گے۔ اللہ یہودیوں کو شکست دے گا۔ اللہ کی مخلوق میں سے یہودی جس چیز کی پناہ لے گا وہ بول اٹھے گی خواہ وہ پتھر ہو' درخت ہو' دیوار ہو یا کوئی جانور سوائے غرقد کے درخت کے وہ تو یہودیوں کا درخت ہے اس لئے نہیں بولے گا۔ وہ چیز کہے گی : اے اللہ کے بندے مسلمان! یہ رہا یہودی' آؤ اور اسے قتل کرو۔

عیسیٰؑ کی حیثیت میری امت کے درمیان ایک انصاف پسند جج اور ایک عادل امام کی ہو گی۔ وہ صلیب توڑ دیں گے' خنزیر کو ذبح کر ڈالیں گے' جزیہ ساقط کر دیں گے' زکوٰۃ معاف کر دیں گے.... وہ کینہ اور بغض کو ختم کر دیں گے۔ وہ ہر گرم چیز کی گرمی کو نکال پھینکیں گے یہاں تک کہ بچہ سانپ کے بل میں اپنا ہاتھ ڈالے گا تو وہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ ایک بچی شیر کو تکلیف پہنچائے گی مگر وہ اسے ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ بھیڑیا بھیڑوں کی کتے کے مانند رکھوالی کرے گا۔ دنیا امن اور چین سے اس طرح بھر جائے گی جیسے برتن پانی سے بھر جاتا ہے۔ اتفاق و اتحاد کا دور دورہ ہو گا۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہو گی۔ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے گی۔ قریش اپنی حکومت چھین لیں گے اور زمین چاندی کے فرش کی طرح ہو گی۔ اس سے وہ نبات اگے گی جو آدم کے وقت اگتی تھی یہاں تک کہ لوگ انگور کے ایک گچھے کو مل کر کھائیں گے اور وہ انہیں سیر کر دے گا۔ لوگ ایک انار مل کر کھائیں گے تو وہ ان کا پیٹ بھر دے گا۔ بیل اتنے اتنے پیسوں میں مل جائے گا اور گھوڑے کی قیمت چند درہم ہو گی۔

دجال کے خروج سے پہلے تین سال سخت ہوں گے جن میں لوگ سخت بھوک میں مبتلا ہوں گے۔ پہلے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ ایک تہائی بارش روک لو اور زمین کو حکم ملے گا کہ ایک تہائی نباتات روک لے۔ پھر دوسرے سال آسمان کو حکم ہو گا کہ دو تہائی بارش روک لے اور زمین کو حکم ملے گا کہ دو تہائی نباتات روک لے۔ پھر تیسرے

سال آسمان کو حکم ہو گا کہ ساری کی ساری بارش روک لے۔ چنانچہ ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکے گا۔ اور زمین کو حکم ہو گا کہ تمام نباتات روک لے۔ چنانچہ کوئی سبزہ نہیں اگے گا۔ کھر والا کوئی جانور باقی نہیں بچے گا سوائے اس کے جسے اللہ بچائے۔ پوچھا گیا: ان دنوں لوگ زندہ کیسے رہیں گے؟ تو فرمایا : تہلیل' تکبیر اور تحمید سے۔ یہ ان کو کھانے کا کام دیں گے۔" {۴۲}

صحیح مسلم کی بعض روایات میں ہے..... لوگوں نے پوچھا : اے رسول خدا' زمین میں اس کا قیام کتنا ہو گا؟ فرمایا چالیس روز۔ ایک دن سال کے برابر بھی ہو گا۔ ایک دن مہینے کے برابر ہو گا اور ایک دن جمعہ (ہفتہ) کی مانند ہو گا' باقی دن دوسرے لوگوں کے دنوں کی طرح ہوں گے۔ لوگوں نے پوچھا: جو دن سال کے برابر ہو گا کیا اس میں ایک دن کی نماز کافی ہو گی؟ آپؐ نے فرمایا : نہیں' اس کا اندازہ کر لینا۔

۲۔ دجال سے نجات

سب تعریفیں اس کیلئے ہیں جو جہانوں کا پالن ہار ہے۔ وہ اگر بیماری کو نازل کرتا ہے تو اس کی دوا بھی بتاتا ہے۔ مومن کو اس کا پتہ چل جاتا ہے جبکہ بعض کو پتہ نہیں چلتا۔ جسے پتہ چل جائے وہ تو خدا کا شکر ادا کرے اور جسے پتہ نہ چلے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے کیونکہ حصول علم میں اس سے کوتاہی ہوئی۔ دجال کا فتنہ اگرچہ بہت سخت اور بہت بڑا ہے مگر اللہ کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ اسے اللہ کے مومن بندوں پر کوئی اختیار نہ ہو گا۔

مغیرہ بن شعبہ کا قول ہے کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کے متعلق اتنے سوال نہیں پوچھے جتنے کہ میں نے پوچھے' میرے اتنے سوال پوچھنے پر رسول خدا نے ان سے پوچھا : تمہیں اس سے کیا تکلیف ہو گی؟ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: "اے رسول خدا لوگ کہتے ہیں کہ کھانا پینا اس کے پاس ہو گا۔ تو آپؐ نے فرمایا : ان تمام چیزوں کے باوجود اس کی اللہ کی نظر میں کوئی وقعت نہ ہو گی۔ {۴۳}

دجال کا فتنہ زمین پر تھوڑا عرصہ (چالیس دن) رہے گا' یہاں تک کہ عیسیٰؑ نازل ہو کر اس کا خاتمہ کر دیں گے اور اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے ہمیں خاص طور پر اس فتنہ سے نجات کا طریقہ بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ مومن اپنی زندگی میں اس فتنہ کو دیکھیں گے۔ نجات درج ذیل باتوں سے حاصل ہوگی :

۱۔ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پابندی سے کرنا جو نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائی ہے :

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِیحِ الدَّجَّالِ"

"اے میرے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے' قبر کے عذاب سے' موت و حیات کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

جو اللہ سے پناہ مانگتا ہے اللہ اسے پناہ دیتا ہے اور جو اس دعا کی حفاظت کرتا ہے اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔

۲۔ سورۂ کہف کو یا اس کی پہلی یا آخری دس آیات کو حفظ کرنا' بلکہ جو اس کی ابتدائی تین آیات حفظ کرلیتا ہے وہ دجال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا قول ہے جس نے سورۂ کہف کی پہلی تین آیات حفظ کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے بچ گیا۔ {۴۴}

مسلم اور ابو داؤد کی روایت میں ہے "سورۂ کہف کی آخری تین آیات" اور ایک روایت میں ہے "سورۃ کہف کی ابتدائی تین آیات"۔ جس کی قسمت میں دجال کا دیدار ہو اسے چاہئے کہ وہ اس کے منہ پر تھوک دے' گویا کہ وہ نماز کا شیطان خنزب ہے' اور اس کے سامنے سورۃ کہف کی ابتدائی یا آخری آیات پڑھے' وہ اللہ کے حکم سے اس سے محفوظ ہو جائے گا۔

۳۔ جسے دجال کے ظہور کی خبر ملے وہ مکہ یا مدینہ میں پناہ لے لے کیونکہ دجال ان میں سے کسی ایک بستی میں بھی داخل نہ ہوگا۔

۴۔ جو اوپر دی ہوئی کوئی بات نہ کرسکے وہ دجال کے سامنے سے بھاگ جائے۔ جب تک وہ ذکر اور دعا کی پابندی کرے گا وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

دجّال کا ذکر قرآن کریم میں کیوں نہیں؟

ہم اس فصل کو اس سوال کا جواب دے کر ختم کر دیں گے جو بعض لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ دجال کا ذکر قرآن کریم میں نہیں حالانکہ اس کا فتنہ بہت بڑا فتنہ ہے جس کی برائی ہر طرف پھیلی ہوگی اور آخری زمانے میں اس کا خروج تواتر کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ علماء نے کچھ جواب دیئے ہیں جن پر مزید غور و خوض اور حاشیہ آرائی ہو سکتی ہے۔(۴۵)

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دجال کا ذکر اس آیت میں موجود ہے "جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں ظاہر ہوں گی اس دن کسی نفس کو اس کا ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا۔ . . ." (انعام : ۱۵۸) ترمذی نے ابو ہریرہ سے یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے اور اسے صحیح مانا ہے "جب تین چیزوں کا ظہور ہو گا اس وقت کسی نفس کو ایمان کا فائدہ نہ ہو گا : دجال، دابہ (جانور) اور مغرب سے طلوع آفتاب۔" مگر ہمارا قول یہ ہے کہ یہ سوال تو اپنی جگہ پر موجود ہے کہ دجال کا نام منصوص نہیں۔

بعض کا خیال ہے قرآن کریم میں عیسیٰ بن مریم کے نزول کا اشارہ اس آیت میں مذکور ہے "وہ دراصل قیامت کی ایک نشانی ہے، پس تم اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کرو"۔ (زخرف : ۶۱) یہ درست ہے کہ وہ دجال کو قتل کریں گے اور قرآن نے دو مخالف قوتوں میں سے صرف ایک قوت کے تذکرہ پر اکتفا کیا ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ سوال تو اپنی جگہ قائم ہے کہ قرآن کی نص میں دجال کا نام مذکور نہیں۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حقارت کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ قرآن میں تو اس کا ذکر ہے جو اس سے حقیر تر ہے، جیسے فرعون۔

بعض کا قول ہے کہ قرآن میں صرف ماضی کے مفسدین کا ذکر ہے آنے والوں کا نہیں۔ ہمارا قول ہے کہ اس میں یاجوج ماجوج کا ذکر ہے حالانکہ ابھی تک ان کا خروج نہیں ہوا۔ مگر سوال کا جواب نہیں ملا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم نے دجال کا ذکر اس کے فتنے کی وجہ سے نہیں

کیا۔ وہ آخری زمانے کا بہت بڑا فتنہ ہو گا۔ اس کا ذکر قرآن میں اس لئے ترک کیا گیا ہے تاکہ اللہ ایسے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں رہنے دے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جھٹلاتے ہیں' ان کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت میں عیب نکالتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو فرماوی فرقہ کی مانند اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی عقلیت پسند (منکرین الہام) عقلانی (Rationalist) مکتب فکر سے منسوب ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو شرعی نصوص کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اگر تو وہ ان کی نفسانی خواہشات سے ہم آہنگ ہوں تو قبول کر لیتے ہیں وگرنہ رد کر دیتے ہیں اور ان کو جھٹلا دیتے ہیں خواہ ان کی صحت تواتر سے کیوں نہ ثابت ہو چکی ہو۔ وہ محض اپنی خواہشات' جہالت اور لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے حدیثوں کو رد کر دیتے ہیں۔ یہ سب لوگ اس قابل ہیں کہ وہ دجال کے فتنہ میں مبتلا ہوں' اس کے جال میں پھنس جائیں اور اس کی طرح گمراہ ہو جائیں' کیونکہ دجال کا ذکر ان کو قرآن میں لکھا ہوا نہیں ملا بلکہ سنت نبوی سے ثابت ہے اور سنت کو وہ مانتے ہی نہیں۔ ہاں اس سنت کو مانتے ہیں جو ان کی مریض خواہشات کے مطابق ہو' جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "دیکھو ہو سکتا ہے کہ میری حدیث کسی آدمی کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ اپنے تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو' حدیث سن کر وہ کہنے لگے : ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے' جو چیز اس میں حلال ہے اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو چیز اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھیں گے۔ دیکھو! جس چیز کو اللہ کا رسول حرام قرار دیتا ہے وہ اس چیز کی مانند ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا"۔ {۴۶}

فصل ششم

دجّال کی ہلاکت اور اس کے پیروکاروں کی ہزیمت

جب دجال تیز تیز چل کر زمین میں سیاحت کر رہا ہو گا اور ان کو اپنی طرح گمراہی میں

ڈال کر اپنے فتنہ کے شر سے ایذا پہنچا رہا ہو گا لوگ بھاگ کر پہاڑوں میں چلے جائیں گے۔ مہدی اور اس کے ساتھی شام کے شہر دمشق میں اس کے ہاتھوں بری طرح محصور ہو جائیں گے۔ قحط' تکلیف اور بھوک ان کو ناتواں کر دے گی۔ اچانک کشائش کا دروازہ کھل جائے گا اور اللہ کی مدد اللہ کے دوستوں تک آپہنچے گی۔ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو اللہ اس آسمان سے جس پر ان کو اٹھالیا گیا تھا دوبارہ نزول کی اجازت دے گا۔ وہ مہدی اور ان کے ساتھی مسلمانوں کے لئے دمشق کے مشرق میں سفید مینار کے قریب نازل ہوں گے۔ صبح کی نماز کی اقامت کہی جا چکی ہو گی' مہدی مسلمانوں اور عیسیٰؑ کو نماز پڑھائیں گے۔ سلام پھیرنے کے بعد عیسیٰؑ فرمائیں گے "ہمارے ساتھ اللہ کے دشمن دجال کی طرف نکلو" پس وہ سب نکلیں گے۔ جونہی وہ ملعون جو چند منٹ پہلے یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ وہ ایسا بادشاہ ہے جس کو الہام ہوتا ہے' وہ نابغہ روزگار لیڈر ہے' بلکہ وہ رب اعلیٰ ہے' حضرت عیسیٰؑ کو دیکھتے ہی وہ یوں پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے اور دم دبا کر بھاگ جائے گا۔ حضرت عیسیٰ اسے فلسطین میں لد کے دروازے پر پکڑ لیں گے۔ اگر وہ اسے چھوڑ دیتے تو وہ یوں پگھل جاتا جیسے نمک پگھلتا ہے مگر وہ فرمائیں گے میری قسمت میں تجھے ضرب لگانا ہے' وہ نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا خون ان کے چھوٹے نیزے پر دکھائیں گے۔ اس وقت اس کے یہودی ماننے والوں کو پتہ چلے گا کہ وہ رب نہیں تھا ورنہ عیسیٰؑ اسے کیونکر قتل کرتے۔ اس وقت یہودیوں کو شکست ہو جائے گی۔ ۷۰ ہزار جبہ پوش یہودی (اللہ کی ان پر لعنت ہو) بھاگ جائیں گے اور وہ عیسیٰؑ' مہدی اور مسلمانوں سے چھپتے پھریں گے۔ وہ جس چیز کے پیچھے چھپیں گے اللہ اسے زبان عطا کر دے گا اور وہ اس کا پتہ بتا دے گا۔ پس اللہ ان سب کو قتل کر دے گا اور زمین کو ان پلید اور نجس انسانوں سے پاک کر دے گا۔ اس دھرتی پر انہوں نے بہت ہی فساد مچا رکھا ہے۔ سب تعریفیں اس کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔

حواشی

{۳۲} مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔

{۳۳} بخاری' مسلم' ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عمر سے روایت کیا۔

{۳۴} حدیث کا کچھ حصہ مسلم نے کتاب الفتن میں بیان کیا ہے۔

{۳۵} مسلم نے صحیح میں کتاب الفتن میں ہشام بن عامر سے روایت کیا ہے۔

{۳۶} مسلم نے صحیح میں کتاب الفتن میں ہشام بن عامر سے روایت کیا ہے۔

{۳۷} حدیث صحیح ہے جسے احمد نے مسند میں ہشام بن عامر سے روایت کیا ہے۔

{۳۸} مسلم، احمد اور ترمذی نے ام شریک سے روایت کیا ہے۔

{۳۹} حدیث صحیح ہے جسے احمد، ابوداؤد اور حاکم نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے۔ مشکوۃ (حدیث نمبر ۵۴۸۸) میں البانی نے صحیح مانا ہے۔

{۴۰} یہ نبوت کا معجزہ ہے، اس سے مسلمان کا ایمان بڑھتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ آخری زمانے میں دجال رسول خدا کی مسجد کی طرف دیکھے گا اور اپنے ماننے والوں سے کہے گا کہ "اس سفید محل کو دیکھو" حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد آپ کے زمانہ میں کھجور کی شاخوں اور سنگریزوں سے بنی ہوئی تھی، آج کل تو وہ واقعی سفید محل بن گئی ہے۔ اے اللہ کے نبی! آپ نے سچ فرمایا۔

{۴۱} حدیث صحیح ہے۔ احمد نے مسند میں روایت کی ہے۔ ہیثمی نے المجمع میں کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

{۴۲} صحیح حدیث ہے جسے ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور حاکم نے ابوامامہ ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ البانی نے صحیح الجامع میں اسے صحیح مانا ہے اور الصحیحہ نمبر ۲۴۵۷ پر بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ احمد نے مسند میں ضعیف سند کے ساتھ اسماء بنت یزید انصاریہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ ابن ماجہ کا قول ہے کہ میں نے ابوالحسن طنافسی سے، اس نے عبدالرحمٰن المحاربی کو کہتے سنا ہے : مناسب یہ ہے کہ یہ حدیث کسی ٹیوٹر کے حوالہ کی جائے تاکہ وہ اسے بچوں کو پڑھائے۔ دیکھئے ابن کثیر کی الفتن والملاحم،

{۴۳} بخاری نے کتاب الفتن، باب ذکر الدجال اور مسلم نے بھی الفتن میں اسے روایت کیا ہے۔

{۴۴} مسلم، احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے ابوالدرداء سے روایت کیا ہے۔

{۴۵} دیکھئے فتح الباری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، ص ۹۳ الفتن والملاحم لابن کثیر، احادیث الدجال۔

{۴۶} ترمذی نے اسے مقدام بن معدیکرب سے روایت کیا ہے اور دارمی نے بھی۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ البانی نے اسے مشکوۃ نمبر ۱۶۳ میں صحیح قرار دیا ہے۔

تحریک جعفریہ کے بارے میں ضروری وضاحت

مکرمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
امیر تنظیم اسلامی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

گزشتہ دنوں اخوت اکادمی اسلام آباد میں آپ نے "کیا دینی جماعتیں ناکام ہیں؟" کے عنوان سے سیمینار سے خطاب کیا۔ آپ کی تقریر کا مکمل متن اکادمی مذکورہ کے مجلّہ "پیام" کے ستمبر کے شمارے میں شائع ہوا' جسے ہم نے مطالعہ کیا۔ ہم سمجھتے تھے کہ تحریک جعفریہ پاکستان کے قائد علامہ سید ساجد علی نقوی اور آپ کے درمیان ہونے والی ملاقات کے بعد یہ وضاحت ہو چکی ہو گی اور آپ تحریک جعفریہ کے اہداف و مقاصد کے بارے میں واضح ہو چکے ہوں گے' لیکن تقریر پڑھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ آپ جیسا آگاہ دانشور بھی ابھی تک تحریک جعفریہ کے مقاصد' پروگرام اور اہداف کے بارے میں مطلع نہیں۔ ضروری تھا کہ اس کی وضاحت کی جائے' لہٰذا اپنی جماعت کے حوالے سے ہماری وضاحت حاضر ہے۔

امید ہے آپ اس سے بہتر استفادہ کر کے آئندہ ہماری جماعت کے بارے میں رائے دیتے وقت ان نکات کو پیش نظر رکھیں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

تحریک جعفریہ پاکستان ایک مسلسل جدوجہد کی ارتقائی صورت ہے۔ جو انقلاب اسلامی ایران سے بہت پہلے اپنے آئینی' قانونی اور مذہبی حقوق کے لئے میدان عمل میں تھی اور ہے۔ چنانچہ تشیع کے مذہبی حقوق کے تحفظ کے لئے بہت پہلے مختلف تنظیموں اور انجمنوں' شیعہ کانفرنس اور ادارہ تحفظ شیعہ وغیرہ کے نام سے کوششیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد مرحوم علامہ سید محمد دہلوی کی قیادت میں شیعہ مطالبات کمیٹی کا وجود عمل میں آیا۔ پھر کچھ وقفے کے بعد مارشل لاء حکومت کی طرف سے ملک میں اسلامائزیشن کا اعلان ہوا تو اہل تشیع نے محسوس کیا کہ ہمارے حقوق سلب ہوں گے اور ہمارے ساتھ زیادتی و ناانصافی ہو گی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے آئینی اور قانونی حقوق کے تحفظ کے لئے "تحریک نفاذ فقہ جعفریہ" کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی اور اپنی آئینی و جمہوری جدوجہد کا

آغاز کیا۔ یہ تمام اقدامات انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی سے قبل ہوئے۔ اس جدوجہد کو کسی گروہ' جماعت یا مسلک کے خلاف قرار دینا یا اس کا مقصد پورے ملک پر فقہ جعفریہ کا نفاذ قرار دینا سراسر زیادتی ہے' کیونکہ اس کا مقصد ملت جعفریہ کے لئے فقہ جعفری کا نفاذ تھا جو ظاہر ہے ہمارا بنیادی حق ہے۔ ۱۹۸۰ء کا کنونشن بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جس کا مقصد اہل تشیع کے حقوق کی طرف توجہ دلانا تھا۔ یہ ایک جمہوری کوشش تھی اور جس کا اختیار خود پاکستان کا آئین ہمیں فراہم کرتا ہے۔ اس کی بنیاد محض مسئلہ زکوٰۃ نہ تھا' البتہ اس احتجاج کو بیورو کریسی اور حکومت صحیح طریقے سے سمجھ ہی نہیں سکی۔ مزید برآں ہمارا مطالبہ یہ نہیں تھا کہ ہمیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے' البتہ ہمیں زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم کے طریق کار پر اعتراض ضرور تھا' لیکن اسے منفی رنگ دیا گیا۔

جیسا پہلے بیان ہوا کہ ابتداء میں تحریک کے اہداف محدود تھے' پھر تحریک نے اپنے اہداف ومقاصد میں وسعت اختیار کی اور وسیع مفہوم میں ایک دینی جماعت کے عنوان سے کام شروع کیا اور تحریک جعفریہ نے قومی آزادی واستقلال کے تحفظ' پاکستان میں سامراج کے اثر ونفوذ کے خاتمے' ظلم واستحصال اور طبقاتی تفریق کے خاتمے' وطن عزیز میں عادلانہ نظام کے قیام' مختلف مکاتب فکر کے درمیان وحدت اور پاکستانی عوام کے درمیان بھائی چارے کے لئے جدوجہد شروع کی۔ یہ وہ مرحلہ تھا جہاں تحریک جعفریہ نے انقلاب اسلامی ایران کے عالمگیر اور آفاقی پیغام سے استفادہ کیا اور رہنمائی حاصل کی۔ اور یہ رہنمائی عالم اسلام میں بہت سی اسلامی تحریکوں نے حاصل کی جن کا تعلق اہل تشیع سے نہیں ہے۔

ظاہری بات ہے کہ جب اہداف وسیع ہوں گے تو نام میں بھی وسعت لانا ہوگی۔ اسی وجہ سے ہم نے "نفاذ فقہ جعفریہ" کے الفاظ الگ کرکے "تحریک جعفریہ" کے نام سے کام شروع کیا۔

جہاں تک فقہ کے نفاذ اور پرسنل لاء کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں تحریک جعفریہ پاکستان کے سربراہ علامہ سید ساجد علی نقوی نے ایک ملاقات میں آپ کے سامنے واضح کیا تھا کہ مسلمانوں کی کوئی فقہ ایسی نہیں ہے جو یہ لازم قرار دیتی ہو کہ اس فقہ کی حکمرانی میں دوسری فقہ کے لئے "پرسنل لاء" ہوگا۔ لیکن چونکہ آئین میں پرسنل لاء کی بات کی گئی ہے اس کی روشنی میں ہم اس موضوع پر کھلے دل سے بات چیت اور مفاہمت کے لئے آمادہ ہیں۔ چونکہ یہ معاملات نظری ہیں اس لئے کسی نقطہ نگاہ کو حرف آخر کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ آپ کو وسعت نظری کا ثبوت دینا چاہئے' ہم بات چیت کے لئے تیار ہیں اور اتحاد وحدت کے لئے ہر مناسب اقدام کی حمایت کریں گے۔

جہاں تک تحریک جعفریہ کے مسلم لیگ سے اتحاد کا تعلق ہے تو وہ سیاسی ہے اور یہ اقدام عارضی ہے' کیونکہ رائج نظام کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا۔ لیکن اس اتحاد سے ہمارے اہداف اور ہماری جدوجہد پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہمارا ہدف بنیادی تبدیلی ہے۔ اس کے لئے اگر تمام دینی جماعتوں کو متحد کر لیا جائے اور اہداف و مقاصد' لائحہ عمل اور داخلی طریقہ کار وضع کر لیا جائے تو اس قسم کے اشتراک یا اتحاد میں شمولیت ہماری اولین ترجیح ہو گی۔

تعجب ہے آپ جیسے دانشور ۱۹ سال گزرنے کے باوجود ابھی تک ایسی سطحی غلط فہمیوں کا شکار ہیں جب کہ تحریک جعفریہ ایک مدت سے میدان عمل میں ہے اور اس کے کردار اور اہداف و مقاصد واضح ہوتے رہے ہیں۔

امید ہے اس وضاحت کے بعد تحریک جعفریہ کے حوالے سے آپ واضح ہو جائیں گے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے وقت ان نکات کو مد نظر رکھیں گے۔ والسلام

ساجد رضا تھہیم

سیکریٹری اطلاعات' تحریک جعفریہ پاکستان

بقیہ.. نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی

ہے کہ قافلہ سخت جاں کس کس وادی بلاخیز میں اترا اور بالآخر نبی اکرم ﷺ سمیت پانچ افراد (حضرت ابوبکرؓ' سیدہ خدیجہ الکبریٰؓ' حضرت علیؓ اور جناب زیدؓ) سے شروع ہونے والا اسلام کا دعوتی و انقلابی کام آج اس منزل میں ہے کہ روئے زمین پر ہر پانچواں شخص اسلام کو ماننے اور کلمہ توحید پڑھنے والا نظر آتا ہے۔ ○○

منہجِ انقلابِ نبویؐ
امیر تنظیم اسلامی
ڈاکٹر اسرار احمد
کے گیارہ خطبات کا مجموعہ
ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

آنحضور ﷺ اور سلطنت فارس

بسلسلہ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۵)

ڈاکٹر ابو معاذ

روم و فارس کی کشمکش، آنحضور ﷺ کے زمانہ میں

آپؐ کی عمر جب بتیس برس کی ہوئی تو روم کی سلطنت میں ایک اہم تبدیلی آئی۔ قیصر روم ماریس کے خلاف بغاوت ہوئی اور اس کے ایک فوجی سردار فوکاس نے اس کی نگاہوں کے سامنے اس کے پانچ بیٹیوں کو تہہ تیغ کیا اور پھر قیصر روم کو موت کے گھاٹ اتارا۔ پھر اسی پہ اکتفانہ کیا بلکہ باپ بیٹوں کے سر قسطنطنیہ کے چوراہوں پر عوام کی عبرت کے لئے آویزاں کروادیئے۔ پھر چند یوم بعد اس کی بیوی اور تین بیٹیوں کو بھی ابدی نیند سلادیا گیا۔ بالآخر فوکاس خود قیصر روم بن بیٹھا۔ ماریس کا زمانہ کسی حد تک عدل و انصاف کا عہد تھا اور عیسائی مذہبی اصولوں کی پاسداری کی جاتی تھی۔

ابھی ہم فارس چلتے ہیں جہاں نوشیروان کے بیٹے ہرمز چہارم کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس کے عہد میں رومیوں سے جنگ رک گئی تھی اور ۵۸۹ء کے بعد رومی اور ایرانی اپنے اپنے علاقوں میں دبک بیٹھے تھے۔ اس طرح آنحضور ﷺ کا عہد شباب نسبتاً بین الاقوامی امن کا عہد تھا اور تجارتی قافلے سکون و اطمینان سے رواں دواں تھے۔ ہرمز کے مشہور سپہ سالار بہرام چوبین کے ذمہ ھُن قبائل (ترکوں) کی سرکوبی تھی۔ ترکوں سے فارغ ہو کر اسے روم کے حکمرانوں سے نبرد آزما ہونا پڑا مگر اسے شکست فاش نصیب ہوئی۔ ہرمز کی جانب سے بازپرس کے نتیجہ میں بہرام چوبین اور اس کی افواج نے شاہ (ہرمز) کے خلاف

بغاوت کردی۔ ایرانی بادشاہ کے خلاف فوجی بغاوت اس عہد کا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا کیونکہ شاہ کو خدائی اوصاف سے متّصف سمجھا جاتا تھا اور ایسے واقعات کا تصور بھی ناممکن تھا۔ ہرمز نے جب بغاوت کو فرو کرنا چاہا تو وہ اپنی مہم میں ناکام رہا اور اپنے ایک فوجی سردار اور رشتہ دار بستام کے ہاتھوں ۵۹۰ء میں گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

ایران کے مرکز مدائن میں خسرو پرویز نے حکومت سنبھالی اور بہرام چوبین کو صلح کا پیغام بھجوا دیا۔ بہرام بغاوت کے نشے میں سرشار تھا اور اسے نئے ساسانی شہنشاہ (خسرو پرویز) سے بھلائی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ وہ مدائن کی طرف لپکا مگر خسرو پرویز بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے قیصر روم ماریس کے دربار میں پناہ لی۔ ماریس نے اسے اپنا منہ بولا بیٹا کہتے ہوئے اس کی پذیرائی کی اور اس کی مدد کا وعدہ کیا۔ خسرو پرویز نے آرمینیا اور شہر دارا کا علاقہ قیصر روم کے سپرد کیا اور رومی افواج کی مدد سے بہرام چوبین اور باغی افواج پر حملہ آور ہوا۔ بہرام ایران کا تخت و تاج چھوڑ کر بھاگ نکلا اور خاقانِ ترکستان کی پناہ میں چلا گیا۔ سلطنت فارس پر قابض ہونے کے بعد خسرو پرویز نے از سرنو امن و امان قائم کیا۔ اس دوران ماریس (قیصر روم) سے اس کے مثالی تعلقات قائم رہے اور امن و امان باقی رہا۔

قیصر ماریس کا قتل اور فوکاس کی تخت نشینی نے فارس و روم کے روابط کا خاتمہ کر دیا اور خسرو پرویز ماریس کا بدلہ لینے کے لئے روم کے مفتوحات پہ چڑھ دوڑا۔ ۶۰۳ء سے ۶۲۷ء کا دور رومیوں اور فارسیوں کی جنگ عظیم کا عہد ہے۔ ایرانی افواج رومیوں کو شکست فاش سے دوچار کرتی ہوئیں شام میں حلب اور انطاکیہ تک قابض ہو گئیں اور ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) میں ایڈیسا (موجودہ اورفا) تک جا پہنچیں۔ فوکاس نے اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے ہاتھ پیر مارے مگر اس کی ایک نہ چلی۔ رومی بازنطینی سلطنت کے عمائدین نے رومیوں کی جانب سے مقرر کردہ مصری گورنر کو مدد کے لئے پکارا۔ فوکاس کو معزول کر دیا گیا اور افریقی مقبوضات (رومی) کے گورنر کے بیٹے ہرقل کو قیصر روم نامزد کر دیا گیا۔ ہرقل نے قسطنطنیہ پہنچتے ہی فوکاس کو قتل کر دیا اور اس کے خاندان کو تہہ تیغ کروا دیا۔ یہ واقعہ ۶۱۰ء میں پیش آیا اور یہی وہ برس تھا جب آنحضور ﷺ نبوت کے مقام پر

فائز ہوئے۔

اہل روم اور اہل فارس کی خونریز جنگ اب بھی قائم رہی اور یہ جنگ زردشتی اور عیسوی مذہب کے پیروکاروں کے مابین خونریز معرکے میں تبدیل ہو گئی۔ رومی عیسائی فوجیں عیسائی یورپ اور بیت المقدس کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل تھیں اور اپنے پورے مذہبی جوش و جذبہ کو بروئے کار لا رہی تھیں۔ بعد میں صلیبی جنگوں کے مواقع پر بھی عیسائی یورپ کا یہی جذبہ کار فرما نظر آتا ہے مگر بعد کے ادوار میں زردشتی فارس کی بجائے صلیبیوں کا مقابلہ اہل اسلام سے تھا۔ عیسائیوں کے اپنے فرقے نسطوری اور یعقوبی (جو اہل ایران کی پناہ میں آ چکے تھے) بھی زردشتیوں (مجوسیوں) کے ہمدرد تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے فلسطین میں کسی زمانے میں ایرانیوں نے بھی (بخانشی عہد میں) یہودی سلطنت قائم کی تھی' اس لئے یہودی بھی اہل فارس کے حلیف سمجھے جاتے تھے۔ یہودیوں نے ایرانیوں کا نہ صرف ساتھ دیا بلکہ چھبیس ہزار یہودی فوجی اہل فارس کی طرف سے اہل روم سے نبرد آزما تھے۔

جنگ جاری تھی۔ ۶۱۰ء میں ایرانی شام میں انطاکیہ کی بندرگاہ پہ قابض ہوئے اب بحیرۂ روم کی لہریں ان کے سامنے تھیں اور وہ زخمی شیر کی طرح یورپ پہ غرا رہے تھے۔ ۶۱۳ء میں وہ دمشق پہ قابض ہوئے۔ ۶۱۴ء میں وہ بیت المقدس (ایلیاء) پر لپکے اور وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ نوّے ہزار عیسائیوں کو قتل کیا گیا۔ اہم ترین عیسائی معبد کنیسۃ القیامۃ کو مسمار کروا دیا گیا۔ شہر کے تمام گرجے زمین بوس ہو گئے اور اہم ترین عیسائی مذہبی رہنما زکریا بھی گرفتار کر لئے گئے۔ صلیب مقدس (جس کی بابت عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ اس پہ مصلوب کئے گئے تھے) اکھاڑ لی گئی اور اسے مدائن پہنچا دیا گیا۔

بیت المقدس (ایلیاء) پہ قابض خسرو پرویز نے ھرقل کو ایک خط میں مندرجہ ذیل کلمات سے مخاطب کیا۔ "خدائے خدائیگاں (شاہوں کا شاہ یعنی شہنشاہ) خسرو پرویز جو تمام روئے زمین کا مالک ہے وہ اپنے کمینہ اور ناسمجھ غلام ھرقل سے مخاطب ہے۔ تیرا کہنا ہے کہ تجھے اپنے پروردگار پہ بھروسا ہے۔ کیا وجہ تھی کہ تیرا پروردگار میرے ہاتھوں سے

یروشلم کو نہیں بچا پایا۔" پھر ایک ہی برس بعد ایرانی افواج بحیرۂ روم کے جزائر دشت سینائی، مصر اور ایشیائے کوچک پہ قابض ہو گئیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ میں آنحضور ﷺ کی بعثت کے بعد مسلمانوں پہ جبر و ستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اور مسلمان کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ اسی زمانہ میں سیدنا جعفر طیارؓ کے ہمراہ مسلمانوں کا ایک گروہ بحیرۂ احمر کو پار کر کے حبشہ کے حکمران نجاشی کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہوا تھا، جنہیں وہاں سے لانے کے لئے مشرکین مکہ کی سفارت ناکام لوٹ آئی تھی اور اہل مکہ کو عیسائی حکمران (نجاشی) کے مسلمانوں کی حمایت کرنے پر شدید غم و غصہ تھا۔ اہل مکہ چونکہ ایرانیوں کے طرف دار تھے اس لئے انہیں عیسائی رومی حکمرانوں کی شکست فاش کی دلی خوشی تھی۔ بعینہٖ مدینہ کے یہودی بھی ایرانیوں کے حلیف ہونے کے باعث اور بیت المقدس پہ عیسائی اثرات ختم ہونے کی وجہ سے خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے۔

مشرکین مکہ آنحضور ﷺ کے ساتھیوں کو زچ کرنے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ وہ مسلمانوں سے کہتے کہ وحی و رسالت کو ماننے والے عیسائی شکست سے دوچار ہیں اور اہل فارس جیت رہے ہیں۔ اس طرح آپ بھی اپنی خیر منالیں، ہم آپ کو بھی تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔ اہل اسلام جب بھی ذہنی دباؤ کا شکار ہوتے تو نزولِ وحی کے ذریعے بارگاہ خداوندی سے انہیں تائید و نصرت کے پیغام موصول ہو جایا کرتے تھے، چنانچہ اب یہ آیات نازل ہوئیں :

﴿ الٓمٓ ○ غُلِبَتِ الرُّومُ ○ فِی اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ○ فِی بِضْعِ سِنِينَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ○ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ○ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ ﴾ (الروم : ۱ تا ۶)

"رومیوں کو قریبی خطّے میں شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے اور اس شکست سے تھوڑے عرصے کے بعد (تین سے نو سال) وہ دوبارہ غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کا

اختیار ماضی میں بھی تھا اور مستقبل میں بھی ہو گا۔ ایک دن آئے گا جب مسلمان خوشیاں منائیں گے۔ یہ سب کچھ اللہ کی مدد سے ممکن ہو گا۔ وہ جس کی چاہے مدد کرتا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور مہربان تھی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے' اور اللہ اپنے وعدے کو توڑا نہیں کرتا۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ بہت سے لوگوں کو (اس کی حکمت کا) علم نہیں ہے۔"

دراصل ان آیات میں نہ صرف رومیوں کی فتح کی پیشین گوئی تھی بلکہ مسلمانوں کی کامیابی کی بشارت بھی دی گئی تھی۔ ان آیات کے نزول کے آٹھ برس بعد تک بھی آثار ایسے ہی تھے کہ ایرانی فاتح نظر آرہے تھے اور رومی بری طرح پس رہے تھے۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کے ساتھی بھی ابھی تک تکالیف و آلام برداشت کر رہے تھے۔

ایرانیوں نے بڑھتے ہوئے ۶۱۹ء میں پورے ملکِ مصر پر اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا اور زردشتی افواج نے لیبیا میں طرابلس کے قریب پڑاؤ کر رکھا تھا۔ ایشیائے کوچک میں یہ لوگ رومیوں کا تعاقب کرتے ہوئے آبنائے باسفورس تک پہنچے تھے۔ ۶۱۷ء میں انہوں نے قسطنطنیہ کے بالمقابل خلقدون (موجودہ قاضی کوئی) پر اپنے جھنڈے نصب کر دیئے تھے۔ ان حالات میں قیصر روم ہرقل نے انتہائی لجاجت سے خسرو پرویز سے گزارش کی تھی کہ وہ ہر قیمت پر صلح کے لئے تیار ہے مگر خسرو پرویز نے اس وقت تک امان نہ دینے کا اعلان کر رکھا تھا جب تک وہ عیسائیت چھوڑ کر دینِ مزدیسنا (زردشتی مذہب) اختیار نہ کرلے۔ قیصر نے قرطاجنہ (موجودہ تیونس) میں منتقل ہونے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا۔

مشرکینِ مکّہ اب مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے تھے اور آیاتِ خداوندی کی تضحیک اور استہزاء میں مگن تھے۔ ان آیات کے نزول کے فوراً بعد اُبَی بن خلف نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے شرط بدی کہ اگر تین برسوں میں رومی غالب آگئے تو میں آپ کو دس اونٹ دوں گا وگرنہ آپ دس اونٹ مجھے دیں گے۔ چونکہ "بِضْع" کا اطلاق عربی میں دس سے کم پر ہوتا ہے اس لئے آنحضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ شرط دس برس کے لئے کردو اور دس کی بجائے سو اونٹ مقرر کردو۔ اس طرح یہ شرط نئے سرے سے طے ہوئی۔

اسی اثناء میں ۶۶۲ء میں آنحضورؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ اب حالات نے پلٹا کھایا۔ مسلمانوں کے غلبہ کا دور بھی آن پہنچا اور رومیوں نے بھی ایرانیوں کو نیچا دکھانا شروع کر دیا۔ ھرقل نے پوپ سے عیسائیت کے تحفّظ کے نام پر مالی اور اخلاقی امداد طلب کی۔ پوپ سرجیس (Sergius) نے گرجاؤں میں جمع شدہ نذرانوں کی رقوم قیصر روم کو سود پر قرضہ کے طور پر دیں اور عیسائیوں کو مذہب کے مقدس نام پر قیصر روم کی مدد کرنے کی تلقین کی۔ اب قیصر نے جنگی تیاری کر کے بحیرۂ اسود (Black Sea) کا راستہ لیا اور چپکے سے ایران کے ان خطّوں پر حملہ کیا جہاں پر ایرانی جنگی گرفت فی الحال کمزور تھی۔ اس نے طرابزون کی جانب کوچ کیا اور اچانک ۶۲۳ء میں آرمینیا پر حملہ کر دیا۔ اگلے برس ۶۲۴ء میں وہ آذر آبادگان (آذربائیجان) میں داخل ہو گیا اور وہاں پر زردشت کی جائے پیدائش ارمیاہ (Clorumia) کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ پھر اس نے اہم ترین زرتشتی آتش کدہ تباہ و برباد کر دیا۔ رومیوں کی اس اہم ترین فتح کا دس برس سے کم عرصہ میں ظہور ہوا اور اُبَی بن خلف کے جانشین سو اونٹ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے انہیں صدقہ میں دے دیا۔ اسی موقع پر جنگِ بدر کی فتح کا واقعہ پیش آیا اور اس میں بھی مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

اب رومیوں نے نینوٰی کی جنگ (۶۲۶ء) میں ایرانی بادشاہت کو شدید ہزیمت سے دوچار کرنے کے بعد مکمل طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا۔ پھر وہ ایرانی شاہنشاہوں کی رہائش گاہ دستگرد پر پل پڑیں اور پھر وہ ایران کے پائے تخت طیسفون کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

حالات و واقعات کا مد و جزر ﴿تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ کی خوبصورت تصویر ہے۔ چند برس قبل ایرانی بیت المقدس میں کلیساؤں کو مسمار کر رہے تھے تو اب زردشت کی جائے پیدائش منہدم ہو چکی تھی اور ایران کا مقدس ترین آتش کدہ خاموش ہو چکا تھا۔ کل ایرانی قسطنطنیہ کے دروازے پہ دستک دے رہے تھے 'قیصرِ روم بھاگ جانے کی فکر کر رہا تھا' آج رومی طیسفون کے باہر کھڑے تھے۔ کل خسرو پرویز قیصر روم کو عیسائیت چھوڑ کر دین مزدیسنا اختیار کرنے کو کہہ رہا تھا' آج دین مزدیسنا کے

پیروکار مجوسی ابتلاء میں ڈال دیئے گئے تھے۔ کل مسلمانانِ مکّہ جبر و استبداد کا شکار تھے تو آج مدینہ کی سلطنتِ خداداد اپنے استحکام کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اسی دوران آنحضور ﷺ کا خط خسرو پرویز کو موصول ہوا (جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے) اور اس نے آنحضور ﷺ کے مکتوب کی اہانت کر کے آپؐ کی بددعا لی تھی۔ آج وہی خسرو (عربی میں کسریٰ) مصیبت میں مبتلا تھا۔

عمائدینِ سلطنت نے ۶۲۸ء میں خسرو پرویز کو معزول کر دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ۱۸ (اٹھارہ) بیٹے قتل کر دیئے گئے اور چند روز بعد وہ خود مصائب و آلام کا شکار ہو کر اس جہان سے کوچ کر گیا۔ یہی برس صلح حدیبیہ کا برس تھا جسے قرآن نے فتح عظیم قرار دیا ہے اور غالباً اسی برس کسریٰ (خسرو پرویز) نے آنحضورؐ کے خط کے ٹکڑے کئے تھے۔

اس کے بعد شہزادہ شیرویہ پسر خسرو پرویز قبادِ دوم کے نام سے ایران کا حکمران بنا' اس نے ۶۲۹ء میں قیصر روم سے صلح کی درخواست کی۔ وہ تمام رومی مقبوضات سے دستبردار ہو گیا۔ ۶۲۹ء میں وہ صلیب مقدس لے کر ذاتی طور پر بیت المقدس (ایلیاء) گیا اور اسے اپنی موجودگی میں اس کے اصلی مقام پر نصب کروایا۔ اسی برس آنحضور ﷺ نے عمرۃ القضاء ادا کیا اور آپؐ ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ قبادِ دوم نے اپنے تمام بھائیوں کو قتل کروا دیا اور بالآخر طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

اب آنحضور ﷺ کی نگاہیں تیزی سے انحطاط پذیر ایرانی بادشاہت (فارس کی شہنشاہیت) پر تھیں جو داخلی کشت و خون کا شکار تھی۔ قباد دوم کے بعد اس کا بیٹا اردشیر سوم سات برس کی عمر میں بادشاہ بنا اور کچھ عرصہ بعد اپنے ہی سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ پھر چند برسوں میں یکے بعد دیگرے ایرانی تخت پر بارہ بادشاہ متمکن ہوئے جن میں دو خواتین پوراندخت دختر خسرو پرویز اور آذر میدخت دختر خسرو پرویز بھی شامل تھیں۔ پوراندخت کی تخت نشینی کی خبر جب آنحضور ﷺ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم تباہ ہو گئی جس نے ایک عورت کی حکمرانی قبول کر لی۔ آنحضورؐ کی وفات کے برس (۶۳۲ء میں) آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم نے عنان حکومت سنبھالی۔ ہر چند کہ اس کے

نسب کے بارے میں پوری طرح علم نہیں ہے مگر روایات کے مطابق اسے خسرو پرویز کا پوتا بیان کیا جاتا ہے۔

یزدگرد سوم کے زمانہ میں ہی مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اہل فارس سے فیصلہ کن جنگیں لڑیں تھی اور سلطنت فارس کا خاتمہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ سات برس بعد ہی ہو گیا تھا۔ اس طرح آپ کی یہ پیشین گوئی بھی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی تھی کہ : "ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ" یعنی "کسریٰ (خسرو) مرگیا اور اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا۔" یہی بات یزدگرد سوم کے دربار میں اسلامی سفیر حضرت ربعی بن ناصرؒ نے کہی تھی کہ ہمارا مقصد چھوٹے خداؤں اور انسانوں کے جبر و استبداد سے لوگوں کو آزاد کروا کے انہیں خدا کی بادشاہت میں دینا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف :

اسلام اور پاکستان

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' ۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

میسی ہاؤس

فون : 7725961
7725962
200960

نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور

پروپرائٹر۔ طارق محمود خواجہ

جینوئن انجن اوورہالنگ ٹریکٹر پارٹس

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

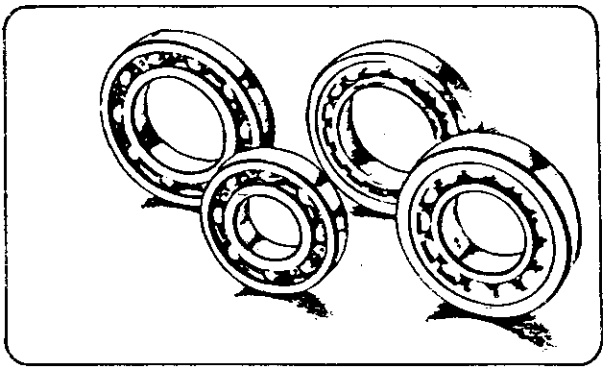

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

NTHLY
Meesaq
AHORE

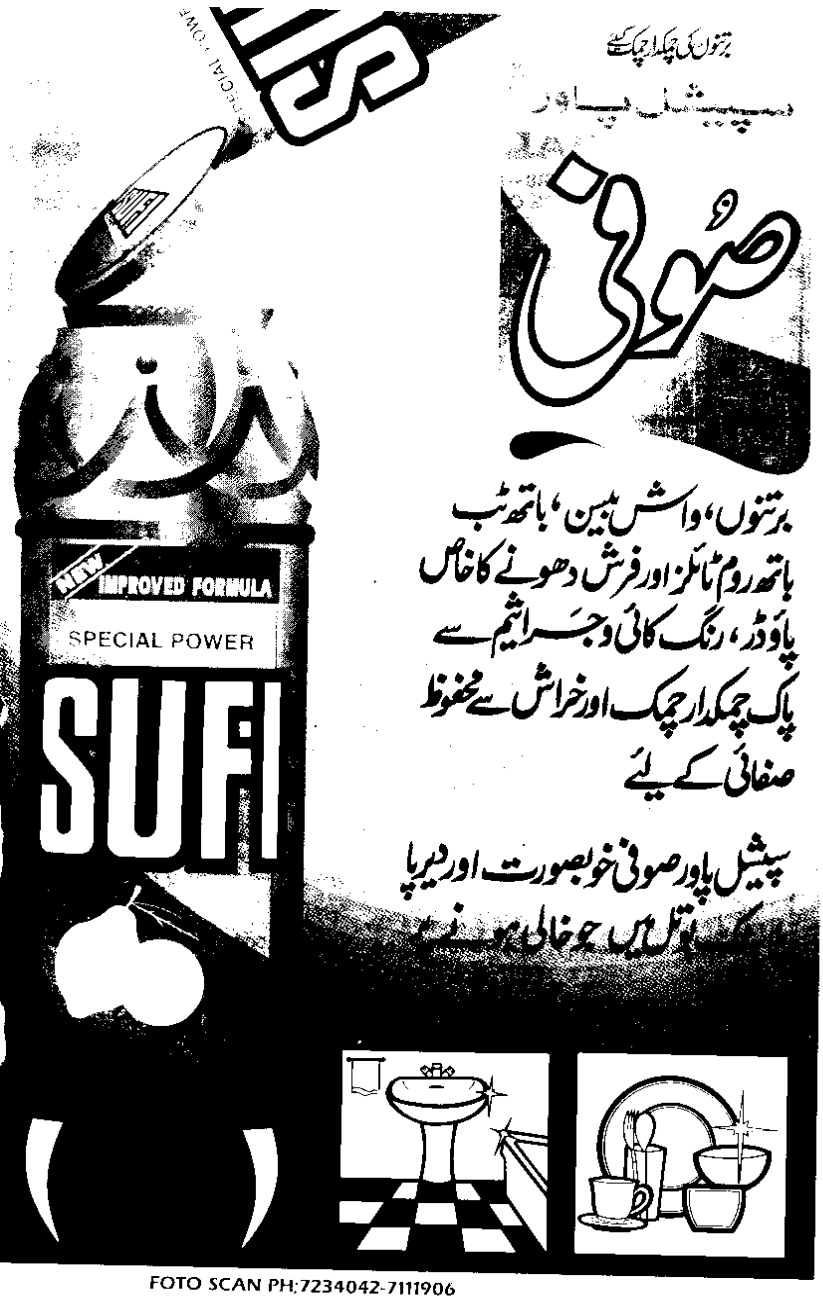

FOTO SCAN PH:7234042-7111906